نضر الله امرأً سمع منا حديثًا فحفظه حتى يبلغه

ماہنامہ

حضرو

صفر ۱۴۳۲ھ فروری ۲۰۱۱ء

- میت دفن کرنے کے بعد قبر پر اجتماعی دعا
- اُصولِ حدیث اور مدلس کی عن والی روایت کا حکم
- سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوئی صحیفہ نہیں جلایا تھا
- مسند امام احمد کی ایک حدیث اور متصوفانہ رقص
- صفاتِ باری تعالیٰ اور صحیح خبر واحد

حضرو، اٹک : پاکستان

رزقِ حلال

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ اے لوگو! کھاؤ اس میں سے جو زمین میں ہے: حلال پاک، اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمھارا کھلا دُشمن ہے۔ (البقرہ: ۱۶۸)

فقہ القرآن:

۱: معلوم ہوا کہ جو چیز پاک وصاف اور حلال نہیں، یعنی نجس، ناپاک اور گندی ہے، اس کا کھانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

۲: جن اشیاء کو قرآن، حدیث اور اجماعِ اُمت کی دلیل سے حرام قرار دیا گیا ہے، وہ حرام ہیں۔ اسی طرح آثارِ سلف صالحین اور سلیم الفطرت مومنین کی طبائع سے جن اشیاء کا مکروہ اور ناپسندیدہ ہونا ثابت ہے، ان کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔

ان کے علاوہ تمام اشیاء حلال ہیں۔

۳: رزقِ حلال کی طلب میں رہنا اور حرام سے کلی اجتناب کرنا فرض ہے۔

۴: شیطانی راستوں اور آثارِ ابلیسیہ مثلاً شرک، کفر، بدعات اور گناہوں سے اپنے دامن کو بچانا ضروری ہے۔

۵: حدیثِ قدسی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے بندے کو جو مال دیا ہے وہ تمام (اس کے لئے) حلال ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۶۵، دارالسلام: ۷۲۰۷)

۶: امام قتادہ (تابعی) کے نزدیک خطوات الشیطان سے مراد اس کی خطائیں ہیں۔

(تفسیر ابن جریر ۲/ ۴۷ ح ۲۴۳۹ وسندہ صحیح)

اور سدی کبیر (اسماعیل بن عبدالرحمٰن، تابعی صغیر) کے نزدیک اس سے مراد شیطان کی پیروی ہے۔ (ایضاً ح ۲۴۴۱ وسندہ حسن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ نزل احسن الحدیث

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 8	صفر ۱۴۳۲ھ فروری ۲۰۱۱ء	شمارہ: 2

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

معاونین

حافظ ندیم ظہیر

ابو خالد شاکر

ابو جابر عبداللہ دامانوی

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

300 روپے

خط و کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقام اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0302-5756937

اس شمارے میں

اضواء المصابیح

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوة المصابيح

۲۵۵) وعن عائشة أنها قالت :سمعت رسول الله ﷺ يقول :((إن الله عزّوجل أوحى إليّ :أنه من سلك مسلكًا في طلب العلم سهّلتُ له طريق الجنة ومن سلبتُ كريمتيه أثبتُه عليهما الجنة . وفضل في علم خير من فضلٍ في عبادة . وملاك الدين الورع .)) رواه البيهقي في شعب الإيمان .

اور (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ عزوجل نے میری طرف وحی کی ہے کہ جو شخص طلبِ علم کے لئے کسی راستے پر چلا تو میں اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہوں، اور میں جس کی دونوں آنکھوں کی بینائی لے لوں تو اس کے لئے جنت واجب کر دیتا ہوں اور علم میں فضیلت، عبادت میں فضیلت سے بہتر ہے اور دین میں اعلیٰ ترین (اہم ترین) بات پرہیزگاری ہے۔

اسے بیہقی نے شعب الایمان (۵۷۵۱، دوسرا نسخہ: ۵۳۶۷) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند موضوع ہے۔

اس کی سند میں محمد بن عبدالملک الانصاری سخت مجروح بلکہ کذاب ہے۔

دیکھئے میری کتاب: تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء (ص ۱۰۰ ت ۳۲۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "**قد رأيت محمد بن عبدالملك و كان أعمى وكان يضع الحديث و يكذب .**" میں نے محمد بن عبدالملک کو دیکھا ہے، وہ اندھا تھا، وہ حدیث گھڑتا تھا اور جھوٹ بولتا تھا۔ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲/۲۱۲ ت ۲۹۱۸)

حافظ ابن حبان نے محمد بن عبدالملک کے حالات میں حدیثِ مذکور ذکر کی اور شروع میں فرمایا: "**كان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات ، لا يحل ذكره في الكتب إلا على جهة القدح فيه ...**" وہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا

تھا، اس کا ذکر کتابوں میں اس پر جرح کئے بغیر حلال نہیں ہے...

(کتاب المجروحین ۲/۲۷۰-۲۶۹، دوسرا نسخہ ۲/۲۸۰)

محمد بن یزید بن عبداللہ السلمی الحمی: مجمش (متوفی ۲۵۹ھ) میں بھی نظر ہے۔

تنبیہ: ((من سلك طريقًا)) إلخ کے لئے دیکھئے حدیث سابق (۲۰۴، رواہ مسلم)

اور ((من سلبت كريمتيه .)) یعنی عینیہ . کے لئے دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح (ح ۱۵۴۹، رواہ البخاری: ۵۶۵۳)

یہ دونوں حدیثیں محمد بن عبدالملک الانصاری کی موضوع روایت سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ والحمدللہ

۲۵۶) وعن ابن عباس قال: تدارس العلم ساعةً من الليل خير من إحيائها. رواه الدارمي .

اور (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: رات کو ایک پہر علم کا پڑھنا پڑھانا اُس (ساری رات) کی بیداری سے بہتر ہے۔ اسے دارمی (۱/۱۴۹ ح ۶۲۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں وجہ ضعف دو ہیں:

۱: ابن جریج نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا، لہٰذا سند منقطع ہے۔

۲: حفص بن غیاث مدلس تھے اور یہ سند معنعن (عن سے) ہے۔

۲۵۷) وعن عبدالله بن عمرو أن رسول الله ﷺ مرّ بمجلسين في مسجده فقال: ((كلاهما على خير وأحدهما أفضل من صاحبه، أما هؤلاء فيدعون الله ويرغبون إليه فإن شاء أعطاهم و إن شاء منعهم . وأما هؤلاء فيتعلمون الفقه أو العلم يعلّمون الجاهل فهم أفضل و إنما بعثتُ معلّمًا .)) ثم جلس فيهم . رواه الدارمي .

اور (سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد

میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: دونوں خیر (بھلائی) پر ہیں اور اُن میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ یہ لوگ تو اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس کی رغبت رکھتے ہیں، لہٰذا وہ چاہے گا تو انھیں دے دے گا اور چاہے گا تو روک لے گا۔ (یعنی نہ دے گا)
یہ دوسرے جو ہیں وہ فقہ یا علم سیکھ رہے ہیں اور جاہل کو سکھاتے ہیں، پس وہ افضل ہیں اور میں معلم (سکھانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ اُن کے پاس بیٹھ گئے۔

اسے دارمی (۱/۹۹۔۱۰۰ ح ۳۵۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں دو وجہ ضعف ہیں:

۱: عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی حافظے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
دیکھئے تقریب التہذیب (۳۸۶۲)
حافظ عراقی نے کہا: '' **ضعفه الجمهور** '' جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(تخریج الاحیاء ۲/۱۹۹)

ہیثمی نے کہا: '' **و قد ضعفه الجمهور** '' اور اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد ۵/۵۶، نیز دیکھئے ۸/۶۵، ۱۰/۲۵۰)

۲: اس کا دوسرا راوی عبدالرحمٰن بن رافع التنوخی المصری قاضی افریقیہ ضعیف ہے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۳۸۵۶)

تنبیہ: سنن ابن ماجہ (۲۲۹) میں اس روایت کی دوسری سند موجود ہے، جس میں داود بن زبرقان متروک (تقریب التہذیب: ۱۷۸۵، ملخصاً) اور بکر بن خنیس جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (دیکھئے میری کتاب تسہیل الحاجۃ فی تحقیق سنن ابن ماجہ قلمی ص ۱۲ ح ۲۲۹)

بکر بن خنیس کا استاد عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی بھی اس سند میں موجود ہے، جو کہ ضعیف ہے، جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔

فائدہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ معلم بلکہ سب سے اعلیٰ اور سب سے

افضل معلّم تھے، جیسا کہ سیدنا معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ما رأیت معلّمًا قبله ولا بعده أحسن تعلیمًا منه . '' میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے زیادہ بہترین تعلیم دینے والا کوئی معلّم نہیں دیکھا۔ (صحیح مسلم: ۵۳۷، ترقیم دارالسلام: ۱۱۹۹)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور آپ انھیں (صحابہ کو) کتاب اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں۔ (سورۃ الجمعہ: ۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ولکن بعثني معلّمًا میسرًا .)) لیکن مجھے اللہ نے معلّم آسانی فرمانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۸، ترقیم دارالسلام: ۳۶۹۰)

پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ نے اس موضوع پر ''نبی کریم ﷺ بحیثیتِ معلّم'' کے نام سے ایک بہترین کتاب لکھی ہے جو ساڑھے چار سو صفحات سے زیادہ میں مطبوع ہے۔

جزاہ اللہ خیراً والحمدللہ

۲۵۸) وعن أبي الدرداء قال : سئل رسول الله ﷺ : ما حدّ العلم الذي إذا بلغه الرجل کان فقیهًا؟ فقال رسول الله ﷺ : ((من حفظ علی أمتي أربعین حدیثًا في أمر دینها بعثه الله فقیهًا و کنتُ له یوم القیامة شافعًا و شهیدًا .))

اور (سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: علم کی وہ کون سی حد ہے جس پر پہنچ کر آدمی فقیہ بن جاتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص میری اُمت کے لئے دینی اُمور میں چالیس حدیثیں حفظ کرے، اللہ اُسے فقیہ مبعوث فرمائے گا (یعنی قیامت کے دن بطورِ فقیہ اُٹھائے گا) اور میں قیامت کے دن اس کے لئے شفاعت کرنے والا اور گواہ ہوں گا۔

[اسے بیہقی نے شعب الایمان (۱۷۲۶، دوسرا نسخہ: ۱۵۹۷) میں روایت کیا ہے۔]

تحقیق الحدیث: اس کی سند موضوع ہے۔

اس کا راوی عبدالملک بن ہارون بن عنترہ کذاب (جھوٹا) تھا۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

''کذاب'' عبدالملک بن ہارون بن عنترہ کذاب ہے۔ (تاریخ ابن معین، راویۃ الدوری: ۱۵۱۶)

حافظ ابن حبان نے کہا: ''**کان ممن یضع الحدیث ...** ''

وہ حدیثیں گھڑنے والوں میں سے تھا۔ (کتاب المجروحین ۱۳۳/۲، دوسرا نسخہ ۱۱۵/۲)

حاکم نیشاپوری نے گواہی دی: ''**روی عن أبیه أحادیث موضوعة .** ''

اس نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۷۰ ت ۱۲۹)

یہ روایت بھی (اس تک بشرطِ صحت) اُس نے اپنے باپ سے بیان کی، لہٰذا یہ سند موضوع ہے۔

امام بیہقی سے لے کر عبدالملک بن ہارون تک سند بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں عبداللہ بن نعمان البصری اور عمرو بن محمد صاحبِ یعلی بن الاشدق وغیرہما مجہول راوی ہیں۔

امام بیہقی نے فرمایا: یہ متن لوگوں کے درمیان مشہور ہے اور اس کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔

(شعب الایمان: ۱۷۲۷، دوسرا نسخہ: ۱۵۹۸)

چالیس حدیثیں یاد کرنے والی روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں، لیکن ان میں سے کوئی سند بھی صحیح یا حسن نہیں، لہٰذا یہ روایت حسن کے درجے تک نہیں پہنچتی۔

ابن الملقن نے کہا: ''**و اتفق الحفاظ علٰی ضعفها و إن تعددت** ''

اگرچہ اس کی سندیں متعدد ہیں، لیکن حفاظِ حدیث کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

(البدر المنیر ج ۷ ص ۲۷۸)

نیز دیکھئے التلخیص الحبیر (۹۳/۳۔۹۴ ح ۱۳۷۵)

حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا: ''**و إسناد هذا الحدیث کله ضعیف** ''

اور اس حدیث کی ساری سندیں ضعیف ہیں۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ۱/۹۵ تحت ح ۱۵۶)

تنبیہ: چونکہ بعض علمائے سابقین نے اربعین وغیرہ اعداد پر کتابیں لکھی ہیں، لہٰذا اقتدائے سلف کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے اور یہ جواز من باب الاجتہاد ہے۔ واللہ اعلم

میت دفن کرنے کے بعد قبر پر اجتماعی دعا

سوال کیا میت دفن کرنے کے بعد قبر پر میت کے لئے اجتماعی دعا کرنا کتاب و سنت سے ثابت ہے؟

(۲) رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا: ((استغفروا لأخیکم .)) انفرادی ہے یا اجتماعی؟

(۳) نیز السنن الکبریٰ للبیہقی (ج۴ص۵٦) میں کتاب الجنائز باب مایقال بعد الدفن میں ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: ''رأیت عبداللّٰہ بن عباس لما فرغ من قبر عبد اللّٰہ بن السائب فقام الناس عنه قام ابن عباس فوقف علیه و دعا له ''

(۴) اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں وارد آثار کتاب الجنائز باب: الدعاء للمیّت حین یفرغ منه کی اسنادی حیثیت پر روشنی ڈالیں۔ (محمد رمضان سلفی، عارف والا)

الجواب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''کان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن المیّت و قف علیه فقال: ((استغفروا لأخیکم و سلوا له بالتثبیت فإنه الآن یُسأل .)) ''جب نبی ﷺ میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو وہاں کھڑے رہتے، پھر فرماتے: اپنے بھائی کے لئے دعائے استغفار کرو اور اُس کے لئے (اللہ سے) ثابت قدمی کا سوال کرو، کیونکہ اب اس سے سوال جواب ہوں گے۔

(سنن ابی داود: ۳۲۲۱ باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف، وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۱/۳۷۰ ح۱۳۷۲، ووافقہ الذہبی)

اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہیں:

۱: دفن کے بعد میت کے لئے دعا

حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ نے حدیثِ مذکور کے بعد لکھا ہے:

''اس طرح قبر پر اختیار ہے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرے یا بغیر ہاتھ اُٹھائے ہاں ہاتھ اٹھانا آدابِ دُعا سے ہے اس لئے اٹھانا بہتر ہے مگر لازم نہ سمجھے۔ اور اگر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے تو اس پر اعتراض نہ کرے...'' (فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۱۳۱)

(۲) چونکہ اس حدیث میں جمع کا صیغہ ہے، لہٰذا یہ دعا اجتماعی ہے۔

(۳) اس اثر کا ترجمہ درج ذیل ہے:

ابن ابی ملیکہ (رحمہ اللہ) نے فرمایا: میں نے دیکھا، جب (سیدنا) عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) عبداللہ بن السائب (رضی اللہ عنہ) کی قبر سے فارغ ہوئے تو لوگ اس کے پاس کھڑے ہو گئے (اور) ابن عباس (رضی اللہ عنہ نے بھی) کھڑے ہو کر اس (عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ) کے لئے دعا فرمائی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ج ۱ ص ۲۲۲ وسندہ صحیح)

اس روایت (اثر) کی سند صحیح ہے۔

(۴) مصنف عبدالرزاق کے بابِ مذکور میں ہے:

"أخبرنا معمر عن أيوب قال: وقف ابن المنكدر على قبر بعد أن فرغ منه فقال: اللهم ثبته، هو الآن يسأل."

(محمد) بن المنکدر (رحمہ اللہ) قبر (یعنی دفن) سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے اللہ! اسے ثابت قدم رکھ، اس سے اب سوال جواب ہوں گے۔ (ج ۳ ص ۵۰۹ ح ۶۵۰۴)

اس کی سند صحیح ہے اور اس باب کی باقی تمام اسانید کی یہاں سندیں ضعیف ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن ابی بکر (بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) قبر پر مٹی ڈالے جانے کے بعد کھڑے ہو جاتے، پھر میت کے لئے دعا کرتے تھے۔ (ج ۳ ص ۳۳۰ ح ۱۱۷۰۵، ملخصاً وسندہ صحیح)

اَحنف بن قیس رحمہ اللہ نے بھی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۳۳۱ ح ۱۱۷۰۸، وسندہ حسن، خالد ھو ابن سمیر حسن الحدیث)

ایوب السختیانی رحمہ اللہ قبر پر کھڑے ہو کر میت کے لئے دعا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۳۱ ح ۱۱۷۰۱، وسندہ صحیح)

یہ آثار اور حدیثِ مرفوع اس بات کی دلیل ہے کہ قبر پر دفن کے بعد اجتماعی اور انفرادی دونوں طرح سے دعا کرنا صحیح ہے۔

میت والوں کے لئے تین دن کھانا تیار کرنا

سوال میت کے گھر والوں کے لئے کتنے دن کھانا پکا کر بھیجنا جائز ہے؟ (۲) عموماً تین دن مشہور ہے۔ کتاب وسنت اور آثار سلف صالحین سے تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں۔ (محمد رمضان سلفی، عارف والا)

الجواب سیدنا عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**اصنعوا لآل جعفر طعامًا فإنه قد أتاهم أمر يشغلهم .**))
آلِ جعفر کے لئے کھانا تیار کرو، کیونکہ ایسی بات ہوگئی ہے جس نے انھیں مشغول کر دیا ہے۔

(سنن ابی داود: ۳۱۳۲ وسندہ حسن وصححہ الترمذی: ۹۹۸ والحاکم ۱/۳۷۲ والذہبی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت والوں کے لئے ان کے رشتہ داروں، دوستوں اور ہمدردوں کو مصیبت کے وقت کھانا تیار کر کے بھیجنا چاہئے۔ بہتر یہ ہے کہ کھانا عام مناسب ہو اور تمام تکلفات سے اجتناب کیا جائے۔

چونکہ عام میت پر سوگ اور غم صرف تین دن کے لئے ہے، جیسا کہ صحیح بخاری (۱۲۷۹، نیز دیکھئے صحیح مسلم: ۹۳۸ بعد ۱۴۹۱) کی حدیث سے ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے آلِ جعفر کو تین (دن رات) کی مہلت دی تھی، پھر اس کے بعد آپ تشریف لائے اور فرمایا: ((**لا تبكوا على أخي بعد اليوم .**))
آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا، یعنی اس کا سوگ نہ کرو۔

(سنن ابی داود [illegible] وسندہ صحیح وصححہ [illegible] علی شرط البخاری ومسلم / ریاض الصالحین: ۱۶۴۳)

ان دونوں حدیثوں کو ملا کر معلوم ہوا کہ اہلِ میت کے لئے تین دن رات تک کھانا تیار کر کے بھیجنا صحیح اور جائز ہے۔

تنبیہ: یہ معلوم نہیں کہ متاخرینِ حنفیہ میں سے طحطاوی حنفی (!) نے صرف ایک رات دن کا کھانا بھیجنے کا کس دلیل سے فتویٰ دے رکھا ہے؟!

(طحطاوی کے حوالے کے لئے دیکھئے شیخ فضل الرحمٰن بن محمد کی کتاب: جنازے کے مسائل ص ۱۸۴)

نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک بیٹھنا اور دو رکعتیں

سوال رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**من صلّى الصبح في جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلّى ركعتين كانت له كاجر حجة وعمرة.**" جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، پھر بیٹھ کر سورج طلوع ہونے تک ذکر کرتا رہا، پھر اس نے دو رکعتیں پڑھیں، اس کے لئے حج اور عمرے جتنا اجر (ثواب) ہوگا۔ (صحیح الترغیب: ۴۶۴)

(۲) دوسری حدیث: "**من صلّى الصبح ثم جلس في مجلسه حتى تمكنه الصلوة كان بمنزلة عمرة و حجة متقبلتين.**"

جس نے صبح کی نماز پڑھی پھر اپنی مجلس میں بیٹھا رہا حتیٰ کہ نماز پر قابو ہوا (یعنی اس نے نماز پڑھی) وہ قبول شدہ حج اور عمرے کے قائم مقام ہے۔ (صحیح الترغیب: ۴۶۸)

☆ جو آدمی نماز فجر پڑھ کر جس جگہ اس نے نماز پڑھی ہے وہیں بیٹھا رہے، اگر وہ جگہ تبدیل کرے تو کیا اسے یہ ثواب حاصل ہوگا؟ (محمد رمضان سلفی، عارف والا)

الجواب البانی صاحب نے صحیح الترغیب میں اس روایت کے بارے میں لکھا ہے:

"**رواه الترمذي وقال: حديث حسن غريب**" (ج ۱ ص ۳۱۸)

سنن ترمذی (۵۸۶) میں یہ روایت بحوالہ ابو ظلال (هلال بن ابی هلال القسملی) عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بعض اختلافِ الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

ابوظلال کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا: " و ضعفه الجمهور "
اور جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۸۴)
حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: ضعیف. (تقریب التہذیب: ۷۳۴۹)

جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی کو مقارب الحدیث کہنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ایسا راوی ضعیف ہی رہتا ہے، لہٰذا یہ روایت ثابت نہیں، نیز اس کے تمام شواہد ضعیف و مردود ہیں اور جمع تفریق کر کے اسے حسن لغیرہ بنا دینا غلط ہے۔

(۲) یہ روایت الترغیب والترہیب اور صحیح الترغیب میں بحوالہ الاوسط للطبرانی مذکور ہے۔
الاوسط للطبرانی (۲۷۹/۶۔۲۸۰ ح ۵۵۹۸) کے راوی فضل بن موفق کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "ضعيف الحديث، كان شيخًا صالحًا قرابة لابن عيينة و كان يروي أحاديث موضوعة." "وہ حدیث میں ضعیف ہے، نیک آدمی تھا، سفیان بن عیینہ کا رشتہ دار تھا، اور وہ موضوع حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶۸/۷)

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے اور اس کا راوی نیک ہونے کے باوجود ضعیف تھا۔ موضوع روایت کو حسن لغیرہ کہہ دینا بہت بڑے دل گردے کا کام ہے۔

فائدہ: امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ موضوع روایت کے لئے راوی کا کذاب ہونا شرط نہیں بلکہ (قرائن کے ساتھ) ضعیف راوی کی روایت بھی موضوع ہو سکتی ہے، بشرطیکہ محدثین کرام اسے موضوع قرار دیں۔

☆ مذکورہ اجر و ثواب والی روایات ضعیف و مردود ہیں، لہٰذا اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

تنبیہ: شیخ البانی نے السلسلۃ الصحیحۃ (۳۴۰۳) میں روایتِ مذکورہ کے دو شاہد ذکر کئے ہیں:
ا: المعجم الکبیر للطبرانی (۲۰۹/۸ ح ۷۷۴۱)
اس میں عثمان بن عبدالرحمٰن بن مسلم الحرانی الطرائفی کا استاد موسیٰ بن علی (عین کی زبر

مراد لینا بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

طرائفی مذکور کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ مجہول لوگوں سے منکر روایتیں بیان کرتا تھا۔

دیکھئے الکامل لابن عدی (۱۸۲۰/۵۔۱۸۲۱، دوسرا نسخہ ۲۹۵/۶۔۲۹۸)

خود طرائفی پر سات نے جرح کی ہے اور سات نے توثیق کی ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ یہ سند موسیٰ بن علی (؟) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: المعجم الکبیر للطبرانی (۱۷۴/۸ ح ۷۶۴۹)

اس کی سند میں احوص بن حکیم ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا:

" ضعیف الحفظ .. و کان عابدًا " (تقریب التہذیب: ۲۹۰)

حافظ ہیثمی نے فرمایا:" و ضعفه الجمهور " اور جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۲)

ان ضعیف روایتوں کے بل بوتے پر شیخ البانی رحمہ اللہ نے روایتِ مذکورہ کو اپنے السلسلۃ الصحیحہ میں ذکر کیا ہے۔ (ج ۷ ص ۱۱۹۵ ح ۳۴۰۳) !!

فائدہ: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (عام طور پر) جب فجر کی نماز پڑھتے، اپنی جائے نماز پر بیٹھے رہتے حتیٰ کہ سورج اچھی طرح طلوع ہو جاتا تھا۔

(صحیح مسلم: ۶۷۰، دارالسلام: ۱۵۲۶، سنن ابی داود: ۱۲۹۴، وسندہ صحیح)

طلوعِ آفتاب کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کا بہت بڑا ثواب ہے، جیسا کہ صحیح مسلم (۷۲۰، دارالسلام: ۱۶۷۱) کی حدیث سے ثابت ہے۔ والحمد للہ (۸/ اپریل ۲۰۱۰ء)

تہتر فرقے اور اُمتِ اجابت

سوال محترم حافظ صاحب! ایک حدیث کی وضاحت فرما دیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، تمام فرقے جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے۔ (مشکوٰۃ: ۱۷۲)

اس حدیث میں جو فرقے ہیں، کیا اس سے مسلمانوں کے فرقے مراد ہیں یا یہود و نصاریٰ بھی اس میں شامل ہیں؟

ہمارے ساتھیوں میں اس مسئلے میں اختلاف ہو گیا، بعض نے مسلمانوں کے فرقے مراد لئے اور بعض نے ساری اُمت میں یہود و نصاریٰ، ہندو بت پرست، آتش پرست وغیرہ بھی شامل کئے ہیں۔ محدثین و شارحین کا اس مسئلے میں کیا موقف ہے؟

ہم نے قرآن کی آیت پر عمل کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَا سْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو، کی رُو سے آپ سے مسئلہ پوچھا ہے۔ آپ اس کا مفصل جواب تحریر فرمائیں اور محدثین و شارحین کے حوالہ جات بھی ضرور لکھیں۔ جزاکم اللہ خیراً

(ابوابراہیم خرم ارشاد محمدی۔ دولت نگر)

الجواب اُمت کی دو قسمیں ہیں:

۱: اُمتِ دعوت مثلاً یہود، نصاریٰ اور ہندو اور قادیانی مرزائی وغیرہ ہر قسم کے کافر ان سب لوگوں پر فرض ہے کہ دینِ اسلام قبول کریں اور کفر و شرک ترک کر دیں۔

۲: اُمتِ اجابت یعنی کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرنے والے یا اس کا دعویٰ کرنے والے لوگ بشرطیکہ وہ ضروریاتِ دین کا انکار کر کے کافر و مرتد نہ قرار پائیں، مثلاً مرجیہ، شیعہ، خوارج اور مبتدعین وغیرہ۔

یاد رہے کہ اُمتِ اجابت سے قادیانی مرزائی اور بہائی وغیرہ خارج ہیں۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ حدیثِ مذکور میں اُمت سے مراد اُمتِ اجابت یعنی اُمتِ محمدیہ ہے (صلی اللہ علیٰ محمد وسلم علیہ) جیسا کہ شارحینِ حدیث اور دیگر علماء نے صراحت کی ہے اور اس کے فی الحال دس حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱: ترمذی (تبویب قبل ح ۲۶۴۰) قال: ما جاء في افتراق هذه الأمة

۲: معالم السنن للخطابی (۴/۲۹۵، کتاب شرح السنۃ)

۳: عارضۃ الاحوذی (۱۰/۱۰۸۔۱۰۹ح ۲۶۴۰، اشارۃً)

۴: الکاشف عن حقائق السنن یعنی شرح الطیبی عن مشکاۃ المصابیح (ج۱ص ۳۶۸ح ۱۷۱)

۵: فیض القدیر للمناوی الصوفی (۲/۲۶ت ۱۲۲۳)

۶: حاشیۃ السندھی علیٰ سنن ابن ماجہ (۲/۴۷۹ح ۳۹۹۱)

۷: تحفۃ الاحوذی (۳/۳۶۷ح ۲۶۴۰) وقال: "المراد من أمتي : أمة الإجابة" یعنی من اُمتی سے مراد اُمتِ اجابت ہے۔

۸: مرعاۃ المفاتیح (۱/۲۷۰ح ۱۷۱)

۹: انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ (۱۱/۳۹۷ح ۳۹۹۱)

۱۰: علمائے کرام نے اس حدیث سے مراد اُمتِ مسلمہ کے فرقے، مثلاً خوارج، شیعہ اور مرجئہ وغیرہ لئے ہیں۔

دیکھئے الفرق فی الفرق لعبد القاہر البغدادی اور غنیۃ الطالبین لعبد القادر جیلانی وغیرہما۔

معلوم ہوا کہ اس حدیث سے مسلمانوں کے یا اسلام کی طرف منسوب فرقے مراد ہیں۔ یہود ونصاریٰ اور کفار ومرتدین مراد نہیں۔ (۱۲/ جون ۲۰۱۰ء)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم رحمہما اللہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تعریف وتوثیق جمہور محدثین، مثلاً حافظ ذہبی، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن عبدالہادی اور حافظ ابن ناصر الدین وغیرہم نے کی ہے اور ملا علی قاری حنفی نے حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم دونوں کے بارے میں کہا:

"... أنهما كانا من أكابر أهل السنة والجماعة ومن أولياء هذه الأمة"

وہ دونوں اہلِ سنت والجماعت کے اکابر میں سے اور اس اُمت کے اولیاء میں سے تھے۔ (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج۱ص ۲۰۷)

حافظ زبیر علی زئی

اُصولِ حدیث اور مدلس کی عن والی روایت کا حکم

اُصولِ حدیث کا مشہور و معروف مسئلہ ہے کہ مدلس راوی (یعنی جس کا مدلس ہونا ثابت ہو) کی عن والی روایت نا قابلِ حجت، یعنی ضعیف ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں محدثین کرام، علمائے حدیث اور دیگر علماء کے چالیس (۴۰) حوالے مع ثبوت پیشِ خدمت ہیں:

۱) امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) نے فرمایا:

"فقلنا : لا نقبل من مدلّس حديثاً حتى يقول فيه : حدثني أو سمعت ."

پس ہم نے کہا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے/ یعنی سماع کی تصریح کرے۔

(کتاب الرسالہ طبع المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق ۱۳۲۱ھ ص ۵۳، بتحقیق احمد شاکر: ۱۰۳۵)

کتاب الرسالہ اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث بلکہ اصولِ دین کی قدیم اور عظیم الشان کتابوں میں سے ہے اور متعدد علماء نے اس کی شروح لکھی ہیں۔

۲) امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) کتاب الرسالہ کو پسند کرتے تھے۔
دیکھئے الطیوریات (ج ۲ ص ۶۱۷، ح ۶۸۱ وسندہ صحیح)

ثابت ہوا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی کے نزدیک بھی مدلس کی عن والی روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) کتاب الرسالہ سے راضی تھے۔
دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۲۰۴/۷ وسندہ صحیح، امام شافعی اور مسئلۂ تدلیس، فقرہ: ۲)
اور فرماتے تھے کہ یہ اُن کی سب سے اچھی کتابوں میں سے ہے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۹۱/۵۴ وسندہ صحیح)

۴) امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۸ھ) بھی کتاب الرسالہ سے متفق تھے۔
دیکھئے فقرہ:۳، اور "امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلۂ تدلیس"

۵) امام اسماعیل بن یحییٰ المزنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۴ھ) بھی کتاب الرسالہ کے مؤید تھے۔ (مقدمۃ الرسالہ ص ۳، ۷، روایۃ ابن الاکفانی: ۵۴ وسندہ حسن)

۶) مشہور محدث ابوبکر البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) نے امام شافعی کا مذکورہ کلام (فقرہ:۱) نقل کیا اور اس پر سکوت کے ذریعے سے اس کی تائید فرمائی۔
دیکھئے معرفۃ السنن والآثار (۱/۷۶) اور النکت للزرکشی (ص ۱۹۱)

۷) صحیح مسلم کے مصنف امام مسلم رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۱ھ) نے فرمایا: "و إنما كان تفقد من تفقد منهم سماع رواة الحديث ممن روى عنهم - إذا كان الراوي ممن عرف بالتدليس في الحديث و شهر به فحينئذ يبحثون عن سماعه في روايته و يتفقدون ذلك منه، كي تنزاح عنهم علة التدليس"
جس نے بھی راویانِ حدیث کا سماع تلاش کیا ہے تو اس نے اس وقت تلاش کیا ہے جب راوی حدیث میں تدلیس کے ساتھ معروف (معلوم) ہو اور اس کے ساتھ مشہور ہو تو اس وقت روایت میں اس کا سماع دیکھتے ہیں اور تلاش کرتے ہیں تاکہ راویوں سے تدلیس کا ضعف دور ہو جائے۔ (مقدمہ صحیح مسلم طبع دار السلام ص ۲۲ ب)

اس عبارت کی تشریح میں ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے:
" و هذا يحتمل أن يريد به كثرة التدليس في حديثه ويحتمل أن يريد [به] ثبوت ذلك عنه و صحته فيكون كقول الشافعي " اور اس میں احتمال ہے کہ اس سے حدیث میں کثرتِ تدلیس مراد ہو، اور (یہ بھی) احتمال ہے کہ اس سے تدلیس کا ثبوت مراد ہو، تو یہ شافعی کے قول کی طرح ہے۔ (شرح علل الترمذی ج ۱ ص ۳۵۴)
عرض ہے کہ اس سے دونوں مراد ہیں، یعنی اگر راوی کثیر التدلیس ہو تو بھی اس کی معنعن روایت (اپنی شروط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے، اور اگر راوی سے (ایک دفعہ ہی) تدلیس

ثابت ہو جائے تو پھر بھی اس کی معنعن روایت (اپنی شروط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے۔
ثابت ہوا کہ امام مسلم کے نزدیک مدلس کی معنعن (عن والی) روایت حجت نہیں ہے۔

۸) خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے فرمایا:

" و قال آخرون : خبر المدلس لا يقبل إلا أن يورده علٰى وجه مبين غير محتمل لإيهام فإن أورده علٰى ذلك قُبِلَ ، و هذا هو الصحيح عندنا ."

اور دوسروں نے کہا: مدلس کی خبر (روایت) مقبول نہیں ہوتی اِلا یہ کہ وہ وہم کے احتمال کے بغیر صریح طور پر تصریح بالسماع کے ساتھ بیان کرے، اگر وہ ایسا کرے تو اس کی روایت مقبول ہے اور ہمارے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔ (الکفایہ فی علم الروایہ ص ۳۶۱)

الکفایہ اصولِ حدیث کی مشہور اور مستند کتابوں میں سے ہے۔ نیز یہ قول کسی قوی دلیل کے خلاف نہیں ہے۔

۹) حافظ ابن حبان البستی رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۴ھ) نے فرمایا:

" فما لم يقل المدلّس و إن كان ثقة : حدثني أو سمعت فلا يجوز الإحتجاج بخبره ، و هذا أصل أبي عبد اللّٰه محمد بن إدريس الشافعي ـ رحمه اللّٰه ـ و من تبعه من شيوخنا . "

پس جب تک مدلس، اگرچہ ثقہ ہو، حدثنی یا سمعت نہ کہے (یعنی سماع کی تصریح نہ کرے) تو اس کی روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے اور یہ ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ کی اصل (بنیادی اصول) ہے اور ہمارے اساتذہ کا اصول ہے جنھوں نے اس مسئلے میں اُن کی اتباع (یعنی موافقت) کی ہے۔ (کتاب المجروحین ج ۱ ص ۹۲، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۸۶)

نیز دیکھئے صحیح ابن حبان (الاحسان ۱/۱۶۱، دوسرا نسخہ ۱/۹۰)

حافظ ابن حبان نے مزید فرمایا: **" فإن المدلس ما لم يبين سماع خبره عمن كتب عنه لا يجوز الإحتجاج بذلك الخبر ، لأنه لا يدرى لعله سمعه من إنسان ضعيف يبطل الخبر بذكره إذا وقف عليه و عرف الخبر به، فما لم يقل**

المدلس في خبره و إن كان ثقة : سمعت أو حدثني ، فلا يجوز الإحتجاج بخبره " پس مدلس جب تک اپنے استاذ سے سماع کی تصریح نہ کرے تو اس کی اس روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ پتا نہیں کہ شاید اس نے کسی ضعیف انسان سے سنا ہو، جس کے معلوم ہو جانے سے خبر (روایت) باطل ہو جاتی ہے۔ پس مدلس اگرچہ ثقہ ہو اپنی روایت میں سمعت یا حدثنی نہ کہے تو اس کی روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔

(کتاب الثقات ج ۱ ص ۱۲)

۱۰) حافظ ابن الصلاح الشہرزوری الشافعی (متوفی ۶۴۳ھ) نے کہا:

" والحكم بأنه لا يقبل من المدلّس حتى يبين ، قد أجراه الشافعي رضي الله عنه فيمن عرفناه دلّس مرة . والله أعلم "

اور حکم (فیصلہ) یہ ہے کہ مدلس کی روایت تصریح سماع کے بغیر قبول نہ کی جائے، اسے شافعی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جاری فرمایا ہے جس نے ہماری معلومات کے مطابق صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہے۔ واللہ اعلم

(مقدمۃ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی ص ۹۹، دوسرا نسخہ ص ۱۶۱)

مقدمہ ابن الصلاح یا علوم الحدیث (معرفۃ انواع علم الحدیث) اُصولِ حدیث کی مشہور و معروف کتاب ہے اور اسے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ مثلاً دیکھئے ارشاد طلاب الحقائق للنووی (۱۰۸/۱) المنہل الروی لابن جماعہ (ص ۲۶) اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/۹۵۔۹۶) اور التقیید والایضاح (ص ۱۱) نزہۃ النظر لابن حجر (ص ۵۔۶) المنتخب فی علوم الحدیث لابن الترکمانی (ص ۶۱) اور البحر الذی زخر للسیوطی (۲۳۵/۱) وغیرہ۔

۱۱) علامہ یحییٰ بن شرف النووی (متوفی ۶۷۷ھ) نے فرمایا:

" فما رواه بلفظ محتمل لم يبين فيه السماع فمرسل ... و هذا الحكم جار فيمن دلّس مرة . " پس وہ (مدلس راوی) ایسے لفظ سے روایت بیان کرے جس میں احتمال ہو، سماع کی تصریح نہ ہو تو وہ مرسل ہے... اور یہ حکم اس کے بارے میں جاری ہے جو

ایک دفعہ تدلیس کرے۔

(التقریب للنووی فی اصول الحدیث ص۹ نوع ۱۲، تدریب الراوی للسیوطی ۱/۲۲۹-۲۳۰)

مرسل کے بارے میں نووی نے کہا:

"ثم المرسل حدیث ضعیف عند جماهیر المحدثین ..." پھر (یہ کہ) مرسل ضعیف حدیث ہے، جمہور محدثین کے نزدیک ... (التقریب للنووی ص ۷ نوع ۹)

۱۲) حافظ ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) نے فرمایا:

"و كذلك من عرف بالتدليس المجتمع عليه و كان من المسامحين في الأخذ عن كل أحد، لم يحتج بشيءٍ مما رواه حتى يقول: أخبرنا أو سمعت" اوراسی طرح جو شخص اس تدلیس کے ساتھ معلوم ہو جائے، جس پر اجماع ہے (کہ وہ تدلیس ہے) اور وہ ان نرمی کرنے والوں میں سے ہو جو ہر ایک سے روایت لے لیتے ہیں، اس نے جو بھی روایت بیان کی اس میں سے کسی کے ساتھ بھی حجت نہیں پکڑی جائے گی اِلا یہ کہ وہ اخبرنا یا سمعت کہے، یعنی سماع کی تصریح کرے۔

(التمہید لما فی الموطأ من المعانی والاسانید ۱/۱۷)

اس سے ثابت ہوا کہ ضعیف راوی سے روایت کرنے والے مدلس کی غیر مصرح بالسماع (عن والی) روایت حافظ ابن عبدالبر کے نزدیک حجت نہیں، یعنی ضعیف ہے۔

ہمارے علم کے مطابق تمام ثابت شدہ مدلسین میں سے کوئی ایک مدلس بھی ایسا نہیں جو ضعیف راوی سے روایت بیان نہیں کرتا تھا۔

تنبیہ: حافظ ابن حبان وغیرہ کا یہ دعویٰ کہ "سفیان بن عیینہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے تھے" کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

۱: یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ بعض اوقات سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ غیر ثقہ سے بھی تدلیس کر لیتے تھے۔

۲: سفیان بن عیینہ جن ثقہ راویوں سے تدلیس کرتے تھے، ان میں سے بعض بذاتِ خود

مدلس تھے اور سفیان بن عیینہ کا صرف ثقہ غیر مدلس سے تدلیس کرنے کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہاں تدلیس پر تدلیس کا شبہ ہے۔

۳: سفیان بن عیینہ ضعیف راویوں سے بھی روایتیں بیان کرتے تھے، مثلاً اُن کے اساتذہ میں علی بن زید بن جدعان (ضعیف راوی) بھی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے مزید فرمایا: **"إلا أن یکون الرجل معروفًا بالتدلیس فلا یقبل حدیثه حتی یقول: حدثنا أو سمعت، فهذا لا أعلم فیه أیضًا خلافًا."**

سوائے اس کے کہ (اگر) آدمی تدلیس کے ساتھ مشہور ہو تو اس کی حدیث قبول نہیں کی جاتی اِلا یہ کہ وہ حدثنا یا سمعت کہے (یعنی سماع کی تصریح کرے) اس کے بارے میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔ (التمہید ۱۳/۱)

حافظ ابن عبدالبر نے معنعن (عن والی) روایت کے مقبول ہونے کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں، جن پر اجماع ہے۔

(۱) تمام راوی عادل یعنی ثقہ وضابط ہوں۔

(۲) ہر راوی کی اپنے استاذ سے ملاقات ثابت ہو۔

(۳) تمام راوی تدلیس سے بری ہوں۔ (التمہید ۱۲/۱)

ان کے خلاف حافظ ابن عبدالبر کا دوسرا قول مرجوح ہے۔

۱۳) ابوبکر الصیرفی (متوفی ۳۳۰ھ) نے کتاب الرسالہ للشافعی کی شرح کتاب الدلائل والاعلام میں فرمایا: **"کل من ظهر تدلیسه عن غیر الثقات لم یقبل خبره حتی یقول: حدثني أو سمعت."** ہر وہ شخص جس کی تدلیس غیر ثقہ راویوں سے ظاہر ہو جائے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی، اِلا یہ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے/یعنی سماع کی تصریح کرے۔ (النکت علیٰ مقدمۃ ابن الصلاح للزرکشی ص ۱۸۴)

نیز دیکھئے امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلۂ تدلیس (ص ۱۱۔۱۲)

۱۴) حافظ ذہبی نے معنعن روایت (جس میں عن عن ہو) کے بارے میں فرمایا:

"ثم بتقدير تيقن اللقاء يشترط أن لايكون الراوي عن شيخه مدلّسًا فإن لم يكن حملناه على الاتصال. فإن كان مدلسًا فالأظهر أنه لا يحمل على السماع. ثم إن كان المدلس عن شيخه ذا تدليس عن الثقات فلا بأس وإن كان ذا تدليس عن الضعفاء فمردود." پھر اگر ملاقات کا یقین ہو تو اس حالت میں شرط یہ ہے کہ راوی اپنے استاذ سے مدلّس (تدلیس کرنے والا) نہ ہو، پس اگر وہ نہ ہو تو ہم اسے (عن والی روایت کو) اتصال پر محمول کرتے ہیں۔ پس اگر وہ مدلس ہو تو ظاہر یہی ہے کہ وہ سماع پر محمول نہیں ہے، پھر اگر اپنے استاذ سے مدلس ایسا ہو جو ثقہ راویوں سے تدلیس کرتا تھا تو کوئی حرج نہیں اور اگر وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرتا تھا تو (اس کی عن والی روایت) مردود ہے۔ (الموقظۃ للذہبی مع کفایۃ الحفظۃ لسلیم بن عید الہلالی ص ۱۹۹، تحقیق حاتم بن عارف العونی ص ۱۳۲، نسخہ ابی غدہ عبدالفتاح ص ۴۵)

یہاں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ ثقہ راویوں سے تدلیس کرنے والوں کی مثال (دنیائے تدلیس میں) صرف سفیان بن عیینہ ہیں اور اُن کی معنعن روایت بھی دو وجہ سے ضعیف ہے، جیسا کہ فقرہ نمبر ۱۲ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حافظ ذہبی کے درج بالا بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اُن کے نزدیک سفیان بن عیینہ کے علاوہ تمام مدلسین مثلاً سفیان ثوری اور سلیمان الاعمش وغیرہما کی عن والی روایات (اپنی شرائط کے ساتھ) ضعیف و مردود ہیں۔

۱۵) حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

"وحكم من ثبت عنه التدليس إذا كان عدلاً، أن لا يقبل منه إلا ماصرح فيه بالتحديث على الأصح" صحیح ترین بات یہ ہے کہ جس راوی سے تدلیس ثابت ہو جائے، اگرچہ وہ عادل (ثقہ) ہو تو اُس کی صرف وہی روایت مقبول ہوتی ہے جس میں وہ سماع کی تصریح کرے۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۶۶، و مع شرح الملا علی القاری ص ۴۱۹)

۱۶) امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک روایت پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

"ولم یذکر قتادة سماعًا من أبي نضرة في هذا."

اور قتادہ نے ابونضرہ سے اس روایت میں اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ (جزء القراءة: ۱۰۴)

معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک مدلس کا سماع کی تصریح نہ کرنا صحتِ حدیث کے منافی ہے۔

۱۷) امام شعبہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۰ھ) نے اپنے مدلس استاذ قتادہ رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا: میں قتادہ کے منہ کو دیکھتا رہتا، جب آپ کہتے: میں نے سنا ہے یا فلاں نے ہمیں حدیث بیان کی، تو میں اسے یاد کر لیتا اور جب وہ کہتے: فلاں نے حدیث بیان کی، تو میں اسے چھوڑ دیتا تھا۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۶۹، وسندہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ بھی مدلس کی سماع کے بغیر والی روایت حجت نہیں سمجھتے تھے۔ نیز دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۲۶۱۔۲۶۲)

۱۸) امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۱ھ) نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے اسے معلول (یعنی ضعیف) قرار دیا اور فرمایا:

دوسری بات یہ ہے کہ اعمش مدلس ہیں (اور) انھوں نے حبیب بن ابی ثابت سے اپنے سماع (سننے) کا ذکر نہیں کیا۔ الخ (کتاب التوحید ص ۳۸، علمی مقالات ج ۳ ص ۲۲۰)

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابن خزیمہ بھی مدلس کی عن والی روایت کو معلول (ضعیف) سمجھتے تھے۔

۱۹) حافظ ابن الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) نے بھی تدلیس کے بارے میں حافظ ابن الصلاح کے حکم کو برقرار رکھا اور کوئی مخالفت نہیں کی۔

دیکھئے المقنع فی علوم الحدیث (۱/۱۵۸) اور فقرہ: ۱۰

۲۰) حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) نے تدلیس کے بارے میں امام شافعی کا قول نقل کیا اور اس کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث (۱/۱۷۴، نوع ۱۲)

۲۱) حافظ العراقی (متوفی ۸۰۶ھ) نے ابن الصلاح کا قول: " مـالـم یبیـن فیـه

المدلس الاتصال حكمه حكم المرسل " ذکر کیا اور اس پر کوئی رد نہیں کیا۔
دیکھئے التقیید والایضاح (ص۹۹)
اور عراقی نے فرمایا:

" و صححوا وصل معنعن سلم　　من دلسة راويه واللقا علم "

اور انھوں (محدثین) نے اس معنعن روایت کو موصول صحیح قرار دیا، جو راوی کی تدلیس (عن) سے محفوظ ہو (اور استاذ شاگرد کی) ملاقات معلوم ہو۔

(الفیۃ العراقی شعر ۱۳۶، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ۱/۱۶۳)

عراقی نے مزید فرمایا:" والأكثرون قبلوا ما صرحا　ثقاتهم وصله و صححا"
اور جمہور نے ثقہ مدلس راویوں کی ان روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے جن میں وہ موصول ہونے یعنی سماع کی تصریح کریں اور دونوں (خطیب وابن الصلاح) نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الفیۃ العراقی مع فتح المغیث ۱/۱۷۹)

۲۲) شریف جرجانی (علی بن محمد بن علی الحسینی متوفی ۸۱۶ھ) نے مدلس راوی کے بارے میں کہا:

" والأصح التفصيل : فما رواه بلفظ محتمل لم يبن فيه السماع فحكمه حكم المرسل و أنواعه " اور صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے: پس وہ ایسے الفاظ سے روایت بیان کرے جس میں سماع واضح نہ ہو، احتمال ہو تو اس کا حکم مرسل اور اس کی اقسام کا حکم ہے۔ (رسالہ فی اصول الحدیث ص ۹۱، الدیباج المذہب مع شرح التبریزی ص ۴۱)

مرسل ضعیف روایت ہوتی ہے، جیسا کہ امام مسلم، امام ترمذی اور جمہور محدثین کا فیصلہ ہے۔ جرجانی نے معنعن روایت کے بارے میں کہا:

" والصحيح أنه متصل إذا أمكن اللقاء مع البراء ة عن التدليس "
اور صحیح یہ ہے کہ وہ متصل ہے، بشرطیکہ ملاقات ممکن ہو اور راوی تدلیس سے بری ہو۔

(رسالہ فی اصول الحدیث ص ۸۷، الدیباج المذہب مع شرح التبریزی ص ۲۸)

۲۳) بدر الدین محمد بن ابراہیم بن جماعہ (متوفی ۷۳۳ھ) نے معنعن روایت کے بارے میں کہا:

" والصحيح الذي عليه جماهير العلماء والمحدثين والفقهاء والأصوليين أنه متصل إذا أمكن لقاؤهما مع براء تهما من التدليس " اور صحیح یہ ہے، جس پر جمہور علماء، محدثین، فقہاء اور اصول کے ماہرین (متفق) ہیں کہ وہ متصل ہے، بشرطیکہ ملاقات ممکن ہو اور استاذ شاگرد دونوں تدلیس سے بری ہوں۔

(المنہل الروی فی مختصر علوم الحدیث النبوی ص ۵۴)

اس سے ثابت ہوا کہ قاضی ابن جماعۃ مدلس کے عنعنے کو صحتِ حدیث کے منافی سمجھتے تھے۔

۲۴) حسین بن عبداللہ الطیبی (متوفی ۷۴۳ھ) نے اصولِ حدیث والے رسالے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اصول درج فرمایا اور کوئی تردید نہیں کی، لہٰذا وہ اس مسئلے میں امام شافعی سے متفق تھے۔ دیکھئے الخلاصۃ فی اصول الحدیث (ص ۷۲)

۲۵) سیوطی نے معنعن کے بارے میں کہا:

" ومن روى بعن وأن فاحكم بوصله إن اللقاء يعلم
ولم يكن مدلّسا... "

اور جو عــــن اور أن سے روایت بیان کرے تو اُس کے متصل ہونے کا فیصلہ کرو، بشرطیکہ ملاقات معلوم ہو اور وہ مدلس نہ ہو... (الفیۃ السیوطی مع شرح احمد شاکر ص ۲۸۔۲۹)

سیوطی نے مدلس کے بارے میں کہا:

" والمرتضىٰ قبولهم إن صرحوا بالوصل فالأكثر هذا صححوا "

اور اگر وہ سماع کی تصریح کریں تو ان کی روایت مقبول ہے، جمہور نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(الفیۃ السیوطی ص ۳۱)

۲۶) عمر بن رسلان البلقینی (متوفی ۸۰۵ھ) نے مقدمہ ابن الصلاح کی شرح میں تدلیس کے بارے میں امام شافعی کا قول نقل کیا اور کوئی مخالفت نہیں کی، لہٰذا یہ ان کی طرف

سے اصولِ مذکور کی موافقت ہے۔ دیکھئے محاسن الاصطلاح (ص ۲۳۵)

۲۷) ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب الابناسی (متوفی ۸۰۲ھ) نے بھی امام شافعی کے مذکورہ اصول کو نقل کیا اور کوئی مخالفت نہیں کی، لہٰذا یہ ان کی طرف سے اصولِ مذکور کی تائید ہے۔
دیکھئے الشذی الفیاح (ج ۱ ص ۱۷۷)

۲۸) عینی نے کہا:

اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی، اِلا یہ کہ اُس کی تصریحِ سماع دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ۳/۱۱۲، الحدیث حضرو: ۲۶ ص ۲۷)

اور کہا: " **و قد اتفقوا علی أن المدلس إذا قال : عن ، لا یحتج به إلا أن یثبت من طریق آخر أنه سمع ذلك الحدیث من ذلك الشخص** " اور اس پر ان کا اتفاق ہے کہ مدلس جب عن کہے تو حجت نہیں ہے، اِلا یہ کہ دوسری سند سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ حدیث اُس نے اُس شخص (اپنے استاذ) سے سنی ہے۔

(شرح سنن ابی داود للعینی ج ۱ ص ۲۵۵ ح ۹۲)

۲۹) کرمانی نے کہا:

اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی، اِلا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (شرح الکرمانی لصحیح البخاری ج ۳ ص ۶۲ تحت ح ۲۱۴)

۳۰) قسطلانی نے کہا:

اور مدلس کا عنعنہ قابلِ حجت نہیں ہوتا، اِلا یہ کہ اس کے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔

(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۸۶)

۳۱) السبط ابن العجمی نے کہا:

" **والصحیح التفصیل ... و إن أتی بلفظ یحتمل فحکمه حکم المرسل** "
اور صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے... اور اگر وہ (مدلس) ایسے الفاظ بیان کرے جن میں احتمال ہو تو اس کا حکم مرسل کا حکم ہے۔ (التبیین لاسماء المدلسین ص ۱۲)

یعنی مدلس کی غیر مصرح بالسماع روایت مرسل (منقطع) کی طرح ہے، یاد رہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک مرسل روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

۳۲) ابن القطان الفاسی نے کہا:

" و معنعن الأعمش عرضة لتبين الإنقطاع فإنه مدلس "

اور اعمش کی معنعن (عن والی) روایت انقطاع بیان کرنے کا نشانہ اور ہدف ہے، کیونکہ وہ مدلس ہیں۔ (بیان الوہم والایہام ۲/۴۳۵ ح ۴۴۱)

معلوم ہوا کہ مدلس کی عن والی روایت کو ابن القطان منقطع سمجھتے تھے۔

۳۳) محمد بن فضیل بن غزوان (متوفی ۱۹۵ھ) نے فرمایا:

مغیرہ (بن مقسم) تدلیس کرتے تھے، پس ہم اُن سے صرف وہی روایت لکھتے جس میں وہ حدثنا ابراہیم کہتے تھے۔ (مسند علی بن الجعد ۱/۴۳۰ ح ۶۶۳ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۶۴۴)

معلوم ہوا کہ محمد بن فضیل بھی مدلس کی غیر مصرح بالسماع یعنی معنعن روایت کو ضعیف و مردود سمجھتے تھے۔

۳۴) ابن رشید الفہری (متوفی ۷۲۱ھ) نے کہا:

" أمّا من عرف بالتدليس فمعرفته بذلك كافية في التوقف في حديثه حتى يتبين الأمر . " مگر جو تدلیس کے ساتھ معروف (معلوم) ہو تو یہ معلوم ہو جانا اس کے لئے کافی ہے کہ اس کی حدیث میں توقف کیا جائے اِلا یہ کہ معاملہ واضح ہو جائے/ یعنی تصریحِ سماع ثابت ہو جائے۔ (السنن الابین ص ۶۶)

۳۵) امام یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۲ھ) نے فرمایا:

" فأما من دلّس عن غير ثقة و عمن لم يسمع هو منه فقد جا وز حد التدليس الذي رخص فيه من رخص من العلماء " پس جو شخص غیر ثقہ سے تدلیس کرے اور اس سے جس سے اُس نے اسے نہیں سنا تو اس شخص نے تدلیس کی حد میں تجاوز کر لیا، جس کے بارے میں علماء نے اجازت دی تھی۔ (الکفایہ ص ۳۶۲ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ یعقوب بن شیبہ کے نزدیک ضعیف راوی سے تدلیس کرنے والے مدلس کی عن والی روایت اوراسی طرح مرسل خفی دونوں ضعیف وغیر مقبول ہیں۔

۳۶) سخاوی نے عراقی کے قول " أثبته بمره " کی تشریح میں کہا: " **و بيان ذلك أنه بثبوت تدليسه مرة صار ذلك هو الظاهر من حاله في معنعناته كما إنه ثبوت اللقاء مرة صار الظاهر من حاله السماع، و كذا من عرف بالكذب في حديث واحد صار الكذب هو الظاهر من حاله و سقط العمل بجميع حديثه مع جواز كونه صادقًا في بعضه** "

اوراس کی تشریح یہ ہے کہ اس کی ایک دفعہ تدلیس کے ثبوت سے اُس کی (تمام) معنعن روایات میں اس کا ظاہر حال یہی بن گیا (کہ وہ مدلس ہے) جیسا کہ ایک دفعہ ملاقات کے ثبوت سے (غیر مدلس کا) ظاہر حال یہ ہوتا ہے کہ اُس نے (اپنے استاد سے) سنا ہے، اور اسی طرح اگر کسی آدمی کا (صرف) ایک حدیث میں جھوٹ معلوم ہوجائے تو اس کا ظاہر حال یہی بن جاتا ہے (کہ وہ جھوٹا ہے) اوراس کی تمام احادیث پر عمل ساقط ہوجاتا ہے، اس جواز کے ساتھ کہ وہ اپنی بعض روایات میں سچا ہوسکتا ہے۔

(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ج ۱ ص ۱۹۳)

دو اہم دلیلیں بیان کر کے سخاوی نے امام شافعی کی تائید کردی اوران لوگوں میں شامل ہوگئے جو مدلس کی عن والی روایت نہیں مانتے، چاہے اُس نے ساری زندگی میں صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہو۔

۳۷) عبدالرؤف المناوی (صوفی) نے کہا:

" **و عنعنة المعاصر محمولة على السماع عند المتقدمين كمسلم و ادعى فيه الإجماع و بخلاف غير المعاصر فإنها تكون مرسلة أو منقطعة و شرط حملها على السماع ثبوت المعاصرة إلا من المدلس فإنها غير محمولة على السماع .** "

متقدمین مثلاً (امام) مسلم کے نزدیک معاصر کی عن والی روایت سماع پر محمول ہوتی ہے اور انھوں (مسلم) نے اس میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اور اس کے برخلاف غیر معاصر کی روایت مرسل یا منقطع ہوتی ہے اور اس کو سماع پر محمول کرنے کی شرط معاصرت (ہم عصر ہونے) کا ثبوت ہے، سوائے مدلس کے اس کا عنعنہ سماع پر محمول نہیں ہے۔

(الیواقیت والدرر فی شرح نخبۃ ابن حجر ۱/۲۱۰، المکتبۃ الشاملہ)

۳۸) زکریا الانصاری (متوفی ۹۲۶ھ) نے عراقی کا قول " **والشافعي أثبته بمرة**" نقل کیا اور اس کی کوئی مخالفت نہیں کی۔

دیکھئے فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی (ص ۱۶۹۔۱۷۰)

۳۹) امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا:

میں نے سفیان (ثوری) سے صرف وہی کچھ لکھا ہے جس میں وہ حدثنی یا حدثنا کہتے تھے...

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد ۱/۲۰۷ ت ۱۱۳۰، وسندہ صحیح، امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلۂ تدلیس ص ۱۵)

۴۰) ابن الترکمانی (حنفی) نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس میں تین علتیں (وجۂ ضعف) ہیں: ثوری مدلس ہیں اور انھوں نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے... (الجوہر النقی ۸/۲۶۲، الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۱۷، نیز دیکھئے فقرہ سابقہ: ۱۰)

اصولِ حدیث، شروحِ حدیث، محدثین کرام اور دیگر علماء کی مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوا کہ مدلس راوی کی عن والی روایت ضعیف ومردود ہوتی ہے۔

جس طرح بعض اصول وقواعد میں تخصیصات ثابت ہو جانے کے بعد عام کا حکم عموم پر جاری رہتا ہے اور خاص کو عموم سے باہر نکال لیا جاتا ہے، اسی طرح اس اصول کی بھی کچھ تخصیصات ثابت ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱: صحیحین (صحیح بخاری، صحیح مسلم) میں تمام مدلسین کی تمام روایات سماع یا معتبر متابعات وشواہد پر محمول ہیں۔

۲: مدلس کی اگر معتبر متابعت یا قوی شاہد ثابت ہو جائے تو تدلیس کا اعتراض ختم ہو جاتا

ہے، جس طرح کہ ضعیف راوی کی روایت کا کوئی معتبر متابع یا قوی شاہد مل جائے تو ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

۳: بعض مدلسین کی روایات بعض شاگردوں کی روایت میں (جیسا کہ دلیل یا صریح حوالے سے ثابت ہو) سماع پر محمول ہوتی ہیں، مثلاً شعبہ کی قتادہ، اعمش اور ابو اسحاق السبیعی سے روایت، شافعی کی سفیان بن عیینہ سے روایت اور یحییٰ بن سعید القطان کی سفیان ثوری سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔

۴: بعض مدلسین بعض شیوخ سے تدلیس نہیں کرتے تھے، مثلاً ابن جریج عطاء بن ابی رباح سے اور ہشیم حصین سے تدلیس نہیں کرتے تھے، لہٰذا ایسی معنعن روایات بھی سماع پر محمول ہیں۔

۵: اسی طرح اگر کوئی اور بات دلیل یا صراحت سے ثابت ہو جائے تو وہ بھی قابلِ قبول ہے۔ ان کے علاوہ ثابت شدہ مدلسین کی معنعن (عن والی) روایات (اپنی شرائط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہیں۔

خاص کو عام پر مقدم کرنے اور تخصیص کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: بعض راوی ثقہ ہوتے ہیں، لیکن جب وہ اپنے کچھ خاص استادوں سے روایت بیان کریں تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے، مثلاً سفیان بن حسین ثقہ ہیں، لیکن امام زہری سے اُن کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

۲: بعض راوی ضعیف ہوتے ہیں، لیکن جب وہ اپنے کسی خاص استاد سے روایت کریں تو یہ روایت حسن ہوتی ہے (جس کی صریح دلیل محدثین کرام سے ثابت ہوتی ہے) مثلاً عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہیں، لیکن نافع سے ان کی روایت حسن ہوتی ہے۔

۳: بعض راویوں کی روایات اُن کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہیں، لیکن بعض شاگردوں کے بارے میں یہ صراحت مل جاتی ہے کہ انھوں نے اپنے استاذ کے اختلاط سے پہلے حدیثیں سنی تھیں، لہٰذا یہ روایتیں صحیح ہوتی ہیں مثلاً عطاء بن السائب سے امام شعبہ کی

روایت صحیح ہوتی ہے۔

۴: مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے، لیکن صحابۂ کرام کی تمام مرسل روایات صحیح ہیں اوراس پر اہلِ سنت کا اجماع ہے۔

۵: ضعیف روایت صحیح وحسن شواہد ومتابعات کے ساتھ صحیح وحسن بن جاتی ہے۔

جس طرح اصولِ حدیث اور اسماء الرجال میں مذکورہ تخصیصات پر عمل کیا جاتا ہے اور خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل کو پیش نہیں کیا جاتا، اسی طرح تدلیس کے مسئلے میں بھی ثابت شدہ تخصیصات پر عمل کیا جاتا ہے اور خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل کو پیش نہیں کیا جاتا۔

تنبیہ: یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے کہ اعمش اور سفیان ثوری وغیرہما کی معنعن روایات صحیح ہیں اور ابوالزبیر، حسن بصری اور زہری وغیرہم کی معنعن روایات ضعیف ہوتی ہیں۔!

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

۱: یہ طبقاتی تقسیم جمہور محدثین کے اصولِ تدلیس کے خلاف ہے۔

۲: یہ تقسیم خود حافظ ابن حجر کی شرح نخبۃ الفکر کے اصول کے خلاف ہے۔

۳: یہ تقسیم خود حافظ ابن حجر کی التلخیص الحبیر (۱۹/۳) کے خلاف ہے۔

۴: اہلِ حدیث اور حنفی بلکہ بریلوی اور دیوبندی کا اس طبقاتی تقسیم پر اتفاق نہیں ہے۔

اس مضمون میں مذکورین کے نام علی الترتیب درج ذیل ہیں:

ابن الترکمانی (۴۰)	ابن الصلاح (۱۰)
ابن العجمی (۳۱)	ابن القطان الفاسی (۳۲)
ابن الملقن (۱۹)	ابن جماعہ (۲۳)
ابن حبان (۹)	ابن حجر عسقلانی (۱۵)
ابن خزیمہ (۱۸)	ابن رشید الفہری (۳۴)
ابن عبدالبر (۱۲)	ابن کثیر (۲۰)

ابناسی (۲۷)	ابوبکر الصیرفی (۱۳)
احمد بن حنبل (۳)	اسحاق بن راھویہ (۴)
اسماعیل بن یحییٰ المزنی (۵)	بخاری (۱۶)
بلقینی (۲۶)	بیہقی (۶)
خطیب بغدادی (۸)	ذہبی (۱۴)
زکریا الانصاری (۳۸)	سخاوی (۳۶)
سیوطی (۲۵)	شافعی (۱)
شریف جرجانی (۲۲)	شعبہ (۱۷)
طیبی (۲۴)	عبدالرحمٰن بن مہدی (۲)
عراقی (۲۱)	عینی (۲۸)
قسطلانی (۳۰)	کرمانی (۲۹)
محمد بن فضیل بن غزوان (۳۳)	مسلم (۷)
مناوی (۳۷)	نووی (۱۱)
یحییٰ بن سعید القطان (۳۹)	یعقوب بن شیبہ (۳۵)

[۳۰/اگست ۲۰۱۰ء]

چھ بنیادی اصول

مشہور زاہد ابو محمد سہل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ نے فرمایا: " أصولنا ستة أشياء: التمسك بكتاب الله تعالىٰ و الإقتداء بسنة رسول الله ﷺ و أكل الحلال و كف الأذى و اجتناب الآثام و التوبة و أداء الحقوق ... "

ہمارے اصول چھ چیزیں ہیں: (۱) کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا (۲) حلال کھانا (۳) کسی کو تکلیف نہ دینا (۴) گناہوں سے بچنا (۵) توبہ اور (۶) حقوق ادا کرنا... (حلیۃ الاولیاء ۱۰/۱۹۰، وسندہ حسن والحمدللہ)

محمد زبیر صادق آبادی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوئی صحیفہ نہیں جلایا تھا

قارئین کرام! ہوسکتا ہے کہ آپ نے بھی تبلیغی جماعت والوں سے یہ سنا ہو کہ ہر ایک کو حدیث نہیں بیان کرنی چاہئے، کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ سو احادیث کا ایک صحیفہ تھا جو انھوں نے احتیاط کی وجہ سے جلا دیا تھا۔ اس بات کا تبلیغی جماعت والوں کو فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے خلاف حدیث بیان کرنے والا ڈر جائے کہ کہاں میں اور کہاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ؟ جب وہ اتنی احتیاط کرتے تھے تو مجھے بھی خاموش رہنا چاہئے، تو پھر تبلیغی جماعت والوں کو جھوٹے اور شرکیہ قصے سنانے کا خوب موقع مل جاتا ہے۔ دراصل یہ سبق انھیں ان کے شیخ الحدیث زکریا کاندھلوی نے پڑھایا ہے:

چنانچہ محمد زکریا کاندھلوی تبلیغی نے لکھا ہے:

”② حضرت ابوبکرؓ صدیق کا مجموعہ کو جلا دینا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے پانسو ۵۰۰ احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں۔ کروٹیں بدل رہے ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے. غرض تمام رات اسی بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں. اُٹھا لا. میں لے کر آئی. آپ نے ان کو جلا دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مرجاؤں اور یہ میرے پاس ہوں ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو اور واقع میں وہ معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو جس کا وبال مجھ پر ہو۔[1]

ف حضرت ابوبکرؓ صدیق کا یہ تو علمی کمال اور شغف تھا کہ اُنہوں نے پانسو ۵۰۰ احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمال احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث

کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا۔ اسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو ممبروں پر بیٹھ کر بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں۔"

(فضائل اعمال ص ۱۰۰ کتب خانہ فیضی لاہور پاکستان، ۲۔ تذکرۃ الحفاظ)

قارئین کرام! یہی حکایت سرفراز صفدر دیوبندی کے بقول کسی منکرِ حدیث برق صاحب نے اپنی کتاب میں لکھی تھی۔ اس کے بعد کی کہانی سنیے سرفراز صفدر کی زبانی:

سرفراز صفدر نے لکھا ہے:

"ہمارے خیال میں یہ کسی طرح قرین انصاف نہیں کہ ہم برق صاحب کی دیگر علمی تاریخی اور تنقیدی تحقیق و تدقیق سے آپ کی ضیافت طبع کا سامان نہ کریں اگر چہ جو گوہر افشانی انہوں نے دو اسلام میں کی ہے وہ بہت زیادہ ہے ہم سب کچھ عرض کرنے سے تو یقیناً قاصر ہیں۔ لیکن مشہور ہے کہ مَالَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّه۔ (یعنی اگر سب کچھ نہ ہو سکے تو سب کچھ چھوڑا بھی نہیں جا سکتا) اس لیے ہم چند نمونے عرض کر دیتے ہیں ملاحظہ کیجیے۔

حوالہ نقل کرنے میں خیانت کرنا۔

۱۔ علامہ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا ہوا تھا (ظاہر ہے کہ حضرت صدیق کے مجموعے سے زیادہ قابلِ اعتماد اور کون سا مجموعہ ہو سکتا تھا) لیکن ایک صبح اُٹھ کر اُسے جلا دیا (انتہی بلفظہٖ دو اسلام طبع اوّل ص ۴۲ و ص ۵۱ طبع ششم)

جواب: اولاً۔ اس جگہ بھی برق صاحب نے خیانت کا ثبوت دیا ہے۔ اس روایت کے نقل کرنے کے بعد علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ فھذا لا یصح (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵)

یہ روایت صحیح نہیں ہے اور تذکرہ کے بعض مطبوعہ نسخوں میں فھذا لا یصلح ہے یعنی یہ روایت استدلال کے لئے صلاحیت نہیں رکھتی، چونکہ علامہ ذہبیؒ کا روایت مذکورہ کے متعلق فیصلہ مخالف پڑتا تھا۔ اِس لیے برق صاحب نے اس کو نقل کرنے کی تکلیف نہ فرمائی تاکہ قلعی

نہ کھل جائے۔

وثانیاً۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے واقعی ایسا کیا ہوتا اور ان کے نزدیک احادیث حجت نہ ہوتیں تو وہ ایک حدیث بھی بیان نہ کرتے حالانکہ ان سے متعدد حدیثیں مروی ہیں۔ اگر ان کی دیگر احادیث سے قطع نظر کر کے صرف یہی پیش نظر رکھا جائے کہ وراثت جدہ کے متعلق ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا کہ کسی کو حدیث معلوم ہے تو بتلایئے محمدؓ بن مسلمہ اور مغیرہؓ بن شعبہ نے حدیث بیان کی۔ اور صدیقؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال متروکہ میں قانون وراثت کے جاری نہ ہونے پر روایت اور حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث پیش کی اور صحابہ کرامؓ نے اس سے اتفاق کیا تھا (بخاری ج۲ص ۹۹۵ وغیرہ) کیا اس سے حدیث رسولؐ کا واجب العمل ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ اثبات حجیت حدیث کے لیے نہ تھا تو برقؔ صاحب ہی انصاف سے فرمائیں کہ کس لیے تھا؟

وثالثاً۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بحرین کا عامل بنا کر روانہ کیا تو زکوٰۃ کے نصاب کے متعلق وہ پوری تفصیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اخذ کی تھی مجھے لکھ کر دی۔ بخاری ج اص ۱۹۵ وغیرہ میں وہ پوری روایت موجود ہے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک حدیث حجت نہ ہوتی اور اس کا لکھنا گناہ ہوتا تو اپنے گورنر کو حدیثِ رسول کبھی لکھ کر نہ دیتے افسوس ہے کہ منکرینِ حدیث ایسی احادیث سے آنکھیں بند کر کے نہایت کمزور اور غیر صحیح روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

ورابعاً۔ تذکرۃ الحفاظ کی روایت نہایت ضعیف اور کمزور ہے ایک تو اس میں علی بن صالح مدنی ہے جو مجہول ہے۔ (تقریب ص۲۷۲) اور دوسرا راوی اس کڑی کا موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں فیہ نظر (میزان ج۳ص ۲۱۳) محدثینؒ کے نزدیک اس میں کلام ہے اور علامہ سیوطیؒ تصریح کرتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں امام بخاریؒ فیہ نظر اور سکتوا عنہ کہتے ہیں محدثین کرامؒ کے ہاں اس کی روایت بالکل

متروک ہوتی ہے(تدریب الراوی ص ۲۳۵ طبع مصر)'' (صرف ایک اسلام ص ۱۹۲ تا ۱۹۴)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی کے مذکورہ بیان سے ثابت ہوا کہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی طرح محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی تبلیغی نے بھی خیانت سے کام لیا اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے فیصلے کو نقل نہیں کیا۔ ثابت ہوا کہ نام نہاد قسم کے شیخ الحدیث بنے یا بنائے ہوئے لوگ منکرینِ حدیث کی راہ پر گامزن ہو کر کس طرح خیانتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان لوگوں کی چالوں سے محفوظ فرمائے۔

تنبیہ: زکریا تبلیغی اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق میں فرق یہ ہے کہ ڈاکٹر غلام جیلانی نے اپنی ایسی باتوں سے رجوع کر لیا تھا۔ دیکھئے الشریعہ خصوصی اشاعت (ص ۲۵۱) اور زکریا تبلیغی کا مذکورہ حکایت سے رجوع کرنا ثابت نہیں۔

[فائدہ: روایتِ مذکورہ کو حافظ ذہبی نے حاکم کے حوالے سے اس سند کے ساتھ نقل کیا ہے: ''حدثني بكر بن محمد الصيرفي بمرو: أنا محمد بن موسى البربري أنا مفضل بن غسان أنا علي بن صالح أنا موسى بن عبد اللّٰه بن حسن بن حسن عن إبراهيم بن عمر بن عبيد اللّٰه التيمي : حدثني القاسم بن محمد قالت عائشة ...'' (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص ۵)

اس کا راوی محمد بن موسیٰ بن حماد البربری مشہور اخباری علامہ تھا، لیکن روایت میں اُس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں، بلکہ امام دارقطنی نے فرمایا: ''ليس بالقوي'' وہ القوی نہیں ہے۔ (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۲۲۱)

ابن کثیر نے ایک دوسری سند ذکر کی ہے، جس میں احوص بن مفضل بن غسان نے البربری کی ایسی مخالفت کی ہے کہ اس سند کا متصل ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔ (دیکھئے کنز العمال ۱۰/ ۲۸۵)

دوسرے راوی علی بن صالح کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے مسند الصدیق میں فرمایا: '' و علي بن صالح لا يعرف '' اور علی بن صالح پہچانا نہیں جاتا، یعنی معروف نہیں ہے۔ (کنز العمال ۱۰/ ۲۸۶ ح ۲۹۴۶۰)

حافظ ابن کثیر نے حاکم نیشاپوری کی اس روایت کو '' هذا غريب من هذا الوجه جدًا '' یہ اس کی سند سے بہت زیادہ غریب (اوپری روایت) ہے، قرار دیا۔ (ایضاً ص ۲۸۶)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے علی بن صالح المدنی یعنی راویٔ مذکور کے بارے میں فرمایا: '' مستور '' یعنی مجہول الحال ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۷۵۲)

اس کے تیسرے راوی موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن العلوی کو امام یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا، لیکن بخاری، عقیلی اور ذہبی نے مجروح قرار دیا، یعنی وہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

اس کا چوتھا راوی ابراہیم بن عمر بن عبید اللہ التیمی ہے جس کی توثیق نامعلوم ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت ظلمات کا پلندا ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔/ ز ع]

حافظ زبیر علی زئی

مسند امام احمد کی ایک حدیث اور صوفیانہ رقص

حماد بن سلمہ عن ثابت (بن اسلم البنانی) عن انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ کی سند سے آیا ہے کہ ''کانت الحبشة يزفنون بين يدي رسول الله ﷺ و يرقصون و يقولون : محمد عبد صالح ... ''إلخ

رسول اللہ ﷺ کے سامنے حبشی لوگ (اسلحے کے ساتھ) اچھل کود رہے تھے اور رقص کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: محمد (ﷺ) نیک بندے ہیں... (مسند احمد ۳/۱۵۲ ح ۱۲۵۴۰)

اس کی سند صحیح ہے اور حافظ ابن حبان (الاحسان ج ۱۳ ص ۱۷۹ ح ۵۸۷۰، دوسرا نسخہ: ۵۸۴۰) نے اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے، لیکن ان کی روایت میں ''و يرقصون'' کے الفاظ نہیں ہیں۔ مسند احمد (۳/۱۶۱ ح ۱۲۶۴۹) اور سنن ابی داود (۴۹۲۳) وغیرہما میں معمر (بن راشد) عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ کی سند سے آیا ہے کہ'' لما قدم رسول الله ﷺ المدينة لعبت الحبشة لقدومه بحرابهم فرحًا بذلك ''

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے خوش ہو کر حبشیوں نے اپنے نیزوں کے ساتھ (نیزہ بازی کا) کھیل کھیلا تھا۔

اس کی سند بھی صحیح ہے اور اس روایت سے یہ فیصلہ ہو گیا کہ حماد بن سلمہ عن ثابت کی روایت میں یزفنون اور یرقصون کا وہی مطلب ہے جو معمر بن راشد عن ثابت کی روایت میں ہے کہ یہ نیزہ بازی کا کھیل تھا، جس میں حبشی لوگ اچھل کود کر نیزے پھینک رہے تھے، لہٰذا اس حدیث سے بعض اہلِ بدعت کا استدلال کرنا کہ ''صوفیوں کا رقص جائز ہے'' باطل ہے۔

شارحینِ حدیث نے بھی یزفنون یعنی یرقصون سے نیزہ بازی کا جہادی کھیل مراد لیا ہے:

۱: علامہ نووی نے کہا: ''و معناه يرقصون و حمله العلماء على التوثب بسلاحهم ولعبهم بحرابهم على قريب من هيئة الراقص لأن معظم الروايات إنما فيها

لعبهم بحرابهم فيتأول هذه اللفظة على موافقة سائر الروايات "

اور اس کا معنی ہے: وہ رقص کرتے تھے، اور علماء نے اسے اسلحے کے ساتھ چھلانگیں لگانے اور نیزہ بازی کے کھیل پر محمول کیا ہے جو رقص کرنے والے کی حالت کے قریب ہوتا ہے، کیونکہ عام روایات میں نیزوں کے ساتھ کھیلنا آیا ہے، لہٰذا تمام روایات کی موافقت میں اس حدیث کی تفسیر ان الفاظ کے ساتھ ہی کی جائے گی۔ (شرح صحیح مسلم ۱۸۶/۶ ح ۸۹۲)

۲: قاضی عیاض المالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے فرمایا: **" والزفن : الرقص وهو وثبهم بسلاحهم تلك و حجلهم أثناء عملهم بها كحركة المثاقف "**

اور زفن رقص ہے، اور یہ ان کا اپنے اسلحے کے ساتھ اچھلنا کودنا اور اپنے عمل کے دوران میں کودنا ہے، جیسا کہ تیغ زنی کرنے والا حرکت کرتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ۳۱۰/۳)

قاضی عیاض نے اپنی دوسری کتاب میں لکھا ہے: **" والزفن :الرقص وهو لعبهم و قفزهم بحرابهم للمثاقفة ... و هذا من باب التدرب في الحرب و شبهه "**

اور زفن رقص ہے اور یہ ان (حبشیوں) کا اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلنا اور اچھلنا ہے تا کہ تیغ زنی جیسا جنگی کھیل ہو۔ (دیکھئے مشارق الانوار علیٰ صحاح الآثار ۳۰۰/۱ زف ن)

۳: حافظ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) نے فرمایا:

" وأما لعب الحبشة في المسجد فكان لعباً بالحراب والدرق تواثباً و رقصًا بهما وهو من باب التدريب على الحرب والتمرين والتنشيط عليه وهو من قبيل المندوب " إلخ اور رہا حبشیوں کا مسجد میں کھیلنا تو یہ اچھل کود کر نیزوں اور ڈھالوں کا کھیل تھا اور یہ جنگ (جہاد) کی ٹریننگ، تیاری اور چستی کے باب سے ہے اور یہ مباح کی قسم سے ہے۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ۵۳۶/۲)

۴: حافظ ابو محمد محمود بن ابی القاسم بن بدران الدشتی الحنفی (متوفی ۶۶۵ھ) نے فرمایا: **" و جوابه: أن زفنهم نوع من المشي بثوبان يفعل ذلك عند الحرب ولقاء الأعداء ، فأين هو من رقص هولاء المخانيث تواجدًا ولهم حركات و انخلاعات ولا تقاس**

حالهم بأولئك فإنهم لعبوا بآلة الحرب وقد أبيح فيها مالا يباح في غيرها ."
اور اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کا فعل آگے پیچھے چلنے میں سے ہے، ایسا کام دشمنوں سے آمنا سامنا ہونے اور جنگ کے وقت کیا جاتا ہے، کہاں یہ اور کہاں ان ہیجڑوں کا حالتِ وجد میں رقص کرنا؟ اور ان کی حرکتیں اور (بے ہودہ) آزادیاں؟ ان (ہیجڑوں) کا قیاس ان لوگوں کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ تو جنگی آلات سے کھیلے تھے اور حالتِ جنگ میں وہ چیزیں جائز ہوتی ہیں جو دوسری حالت میں جائز نہیں ہوتیں۔ (النہی عن الرقص والسماع ج ۱ ص ۴۲۶)

۵: محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی نے کہا: " وحمله بعض العلماء على التوثب بسلاحهم و لعبهم بحرابهم على قريب من هيئة الراقص " اور بعض علماء نے اسے رقص کرنے والے کی حالت کے قریب اسلحہ لے کر اچھلنے کودنے اور اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلنے پر محمول کیا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ۳/۲۷)

علمائے کرام کی ان تشریحات سے صاف معلوم ہوا کہ مسند احمد اور صحیح مسلم کی حدیثِ مذکور کا تعلق جنگی مشقوں والے کھیل نیزہ بازی سے ہے، لہٰذا ناچ گانے کا شوق رکھنے والوں اور بعض متصوفین و مبتدعین کا اس سے صوفیانہ رقص ثابت کرنا باطل ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ایک حنفی فقیہ کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ" السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام ، لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه وهو والغناء والمزامير سواء ... " (شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا:) سماع، قول (یعنی قوالی) اور رقص، جو ہمارے زمانے کے صوفی نما لوگ کرتے ہیں، حرام ہے۔ اس کا قصد کرنا اور ان کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔ یہ، گانے سننا اور موسیقی سب برابر ہیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۵ ص ۳۵۲ سطر ۶۔۷، شرح صحیح مسلم لغلام رسول سعیدی بریلوی ج ۲ ص ۶۹۱)

جب گانے بجانے اور رقص و سرور کی محفلیں جمانا اور ان کے نظارے لینا حنفی مذہب میں بھی حرام ہیں تو تعجب ہے ان لوگوں پر جو اپنے آپ کو حنفیت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر ان تمام لذاتِ محرّمہ سے لطف اندوز ہونے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ (۱۸/نومبر ۲۰۱۰ء)

حافظ زبیر علی زئی

صفاتِ باری تعالیٰ اور صحیح خبرِ واحد

(عبداللہ بن) عروہ بن الزبیر (رحمہ اللہ) سے روایت کہ " أن الزبیر بن العوام سمع رجلاً یحدّث حدیثاً عن النبي ﷺ فاستمع له الزبیر حتی إذا قضی الرجل حدیثه قال له الزبیر : أنت سمعت هذا من رسول الله ﷺ ؟ فقال الرجل : نعم ، قال: هذا و أشباهه مما یمنعنا أن نحدّث عن النبي ﷺ ، قد لعمري سمعت هذا من رسول الله ﷺ و أنا یومئذ حاضر، و لکن رسول الله ﷺ ابتدأ هذا الحدیث فحدثناه عن رجل من أهل الکتاب حدثه إیاه ، فجئت أنت یومئذ بعد أن قضی صدر الحدیث و ذکر الرجل الذي من أهل الکتاب فظننت أنه من حدیث رسول الله ﷺ ."

بے شک (سیدنا) زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہ) نے ایک آدمی کو نبی ﷺ سے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تو زبیر (رضی اللہ عنہ) نے اُس کی طرف اپنے کان لگادیے، حتیٰ کہ اس آدمی نے اپنی حدیث مکمل بیان کردی۔ زبیر (رضی اللہ عنہ) نے اُس سے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ (حدیث) سُنی ہے؟ تو اس آدمی نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ اور اس طرح کی باتیں ہمیں نبی ﷺ سے حدیث بیان کرنے سے روکتی ہیں، قسم ہے کہ تُو (یا میں) نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے اور میں اُس دن حاضر تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کی ابتدا (شروع) میں ہمیں اہل کتاب کے ایک آدمی سے حدیث سنائی، تم اُس دن اُس وقت آئے جب حدیث کا ابتدائی حصہ اور اہلِ کتاب کے آدمی کا ذکر ختم ہو چکا تھا، لہٰذا تم یہ سمجھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۵۸، دوسرا نسخہ ص ۴۵۰، تیسرا نسخہ بحاشیۃ الکوثری ص ۳۵۷، چوتھا نسخہ ج ۲ ص ۲۰۱ ح ۷۶۴، پانچواں نسخہ ج ۲ ص ۳۰۳ ح ۷۳۹)

اس روایت کے متصل بعد کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہوا ہے کہ

" قال الشیخ و لھذا الوجه من الاحتمال ترك أھل النظر من أصحابنا الإحتجاج بأخبار الآحاد في صفات اللّٰہ تعالٰی ، إذا لم یکن لما انفرد منھا أصل فی الکتاب أو الإجماع و اشتغلوا بتأویله، و ما نقل في ھذا الخبر إنما یفعله فی الشاھد من الفارغین من أعمالھم من مسه لغوب ، أو أصابه نصب مما فعل ، لیستریح بالاستلقاء ووضع إحدی رجلیه علی الأخری، و قد کذّب اللّٰہ تعالٰی الیھود ، حین وصفوہ بالاستراحة بعد خلق السمٰوات والأرض و ما بینھما فقال: ﴿ و لقد خلقنا السموات والأرض و ما بینھما فی ستة ایام و ما مسنا من لغوب فاصبر علی ما یقولون ﴾ "

شیخ (غالباً بیہقی) نے کہا: احتمال کی اس وجہ سے ہمارے اصحاب (متکلمین اشاعرہ) کے اہلِ نظر (!) نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں اخبارِ احاد سے حجت پکڑنا ترک کر دیا، جس میں اگر تفرد ہو اس کی اصل (اللہ کی) کتاب یا اجماع میں نہ ہو، اور وہ اس کی تاویل میں مشغول ہوئے، اور اس روایت (جس کا ذکر اس ترجمے کے بعد آ رہا ہے) میں جو نقل کیا گیا ہے، یہ تو وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے کاموں سے فارغ ہو کر تھک جاتے ہیں، یا عمل سے تھکان پہنچتی ہے تا کہ لیٹ کر اور اپنی ٹانگیں ایک دوسرے پر رکھ کر آرام کریں، یہودیوں نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کہ اُس نے زمین و آسمان پیدا کرنے کے بعد آرام فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جھوٹا قرار دیا اور فرمایا: اور یقیناً ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور ہمیں کوئی کمزوری لاحق نہیں ہوئی۔ پس یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو۔ (الاسماء والصفات ص ۴۵۰)

[روایتِ مذکورہ (جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) سے مراد وہ منکر (ضعیف) روایت ہے، جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات پیدا کیں تو لیٹ گیا اور ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھ دی۔ دیکھئے الاسماء والصفات (ص ۴۴۸ وقال: فھذا حدیث منکر ...)

ہمارے علم کے مطابق کسی محدث نے اس روایت کو صحیح یا حسن نہیں کہا، لہٰذا یہ روایت منکر و مردود ہے۔]

امام بیہقی کی اس عبارت میں مذکورہ کلام: ''اللہ تعالیٰ کی صفات میں اخبارِ آحاد سے حجت پکڑنا ترک کردیا...'' کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

۱) امام بیہقی کی پیش کردہ روایت ضعیف و مردود ہے۔ اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" أخبرنا أبو جعفر العرابي : أنا أبو العباس الصبغي : نا الحسن بن علي بن زياد: نا ابن أبي أويس : حدثني ابن أبي الزناد عبدالرحمٰن عن هشام بن عروة عن (عبدالله بن) عروة بن الزبير "

اس روایت کی سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: ابو جعفر العرابی (یا العزائی) نامعلوم (مجہول) ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی رحمہ اللہ نے فرمایا: " لم أعرفه " میں نے اسے نہیں پہچانا۔ (الانوار الکاشفہ ص ۶۰)

دوم: اس کے دوسرے راوی ابو العباس الصبغی محمد بن اسحاق بن ایوب کی توثیق نامعلوم ہے بلکہ اس پر اس کے ثقہ بھائی امام ابوبکر احمد بن اسحاق الصبغی النیسابوری رحمہ اللہ تنقید کرتے تھے، وہ اسے اس کی داداگیری (بدمعاشی، الفتوۃ) کی وجہ سے سماعِ حدیث سے منع کرتے تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۵/۴۸۹)

سوم: یہ روایت عروہ بن الزبیر نے نہیں بلکہ ان کے بیٹے عبداللہ بن عروہ بن الزبیر نے بیان کی ہے، جیسا کہ الاسماء والصفات للبیہقی کے قلمی نسخے (مخطوطہ الحرم المکی رقم: ۲۰۳۰) میں لکھا ہوا ہے۔ (دیکھئے الانوار الکاشفہ مع الحاشیہ ص ۶۰)

عبداللہ بن عروہ رحمہ اللہ ۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ (تقریب التہذیب: ۳۴۷۵)

اور سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ۳۶ھ میں جنگِ جمل سے واپسی پر شہید ہوگئے تھے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۰۰۳)

لہٰذا یہ روایت منقطع ہے اور منقطع روایت ضعیف ہوتی ہے۔

نیز دیکھئے تیسیر مصطلح الحدیث (ص ۷۸، المنقطع)

طحاوی حنفی نے ایک حدیث کے خلاف امام ابوحنیفہ کا قول ذکر کیا اور پھر لکھا:

" و کان من الحجة لهم في ذلك أن هذا الحديث منقطع ... " اور (اس حدیث کو رد کرنے کے لئے) ان (امام ابوحنیفہ وغیرہ) کی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے... (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۶۴، باب الرجل یسلم فی دار الحرب...)

معلوم ہوا کہ بقولِ طحاوی امام ابوحنیفہ بھی منقطع روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

۲) صحیح احادیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے مثلاً قدم، رِجل اور اصابع۔

محدثین کرام نے ان احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً:

حدیثِ قدم: صحیح بخاری (کتاب التوحید باب ۷ ح ۷۳۸۴) صحیح مسلم (کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا و أھلھا باب ۱۳ ح ۲۸۴۸) سنن ترمذی (۲۵۵۷ وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح") صحیح ابی عوانہ (ج ۱ ص ۱۸۷ ح ۳۴۴) المختارۃ للضیاء المقدسی (۷/۶ ح ۲۴۸۶ وقال الحافظ ابو القاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل: قوام السنہ [احد رواۃ الحدیث]: "ھذا حدیث صحیح...") صحیح ابن حبان (الاحسان ۱/۵۰۱ ح ۲۶۸ وتأ ولہ بتأ ویل مرجوح)

امام اسحاق بن منصور الکوسج نے امام احمد بن حنبل سے قدم وغیرہ والی احادیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: " كلّ هذا صحيح " یہ سب صحیح ہے، یعنی یہ ساری حدیثیں صحیح ہیں۔ امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: " هذا صحيح ولا يدفعه إلا مبتدع أو ضعيف الرأي " یہ صحیح ہے اور بدعتی یا کمزور رائے والے شخص کے علاوہ کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔

(کتاب الشریعۃ للآجری ۳/۱۱۲۷-۱۱۲۸ ح ۶۹۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ص ۳۲۰، تیسرا نسخہ ص ۳۰۷)

ابوعبداللہ ابن مندہ نے فرمایا: " و هذا حديث ثابت باتفاق " اور یہ حدیث بالاتفاق (بالاجماع) ثابت ہے۔ (الرد علی الجہمیہ ج ۱ ص ۱۹ ح ۱۰/۲)

حافظ اسماعیل بن محمد الاصبہانی (قِوام السنہ رحمہ اللہ متوفی ۵۳۵ھ) نے فرمایا:

" هذا حديث صحيح ، و ذكر القدم فيه مما يجب الإيمان به ولا يتعرض له بالتأويل والتكييف " یہ حدیث صحیح ہے اوراس میں قدم کا جو ذکر ہے تو اس پر ایمان لانا واجب (فرض ہے) اس کی تاویل یا تکییف (یہ سوال کہ یہ کیسے ہے؟) کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔ (المختارہ ۲۷/۷ ح ۲۳۸۶)

قدم والی حدیث کو امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید (۲۲۷/۱) میں، ابن مندہ نے کتاب الایمان (۷۹۷/۲ ح ۸۱۵) میں اور بیہقی نے الاسماء والصفات (ص ۴۴۱، دوسرا نسخہ ص ۳۴۸۔۳۴۹) میں بھی روایت کیا ہے۔

ائمہ اسلام کا اس حدیث کے صحیح ہونے پر اجماع ہے اور (ہمارے علم کے مطابق) اس اجماع کی مخالفت کسی ایک امام یا عالم سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ صحیح خبرِ واحد کے ساتھ صفاتِ باری تعالیٰ میں سے کسی صفت کا اثبات بالکل صحیح ہے اور اس پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔

حدیثِ رِجل: صحیح بخاری (۴۸۵۰) صحیح مسلم (۲۸۴۶) الصحیفہ الصحیحہ یعنی صحیفہ ہمام بن منبہ (۵۱) اور صحیح ابی عوانہ (۱۸۸/۱ ح ۳۴۷) وغیرہ۔

حدیث الاصابع: صحیح بخاری (۷۴۱۴۔۷۴۱۵) صحیح مسلم (۲۷۸۶) اور سنن ترمذی (۳۲۳۸ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) وغیرہ۔

۳) خود امام بیہقی نے مشہور ثقہ محدّث اور امام ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ سے (قوی سند کے ساتھ) نقل کیا کہ یہ احادیث (پھر صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں کچھ احادیث مثلاً حدیثِ قدم وغیرہ ذکر کر کے فرمایا:) ہمارے نزدیک حق ہیں، انھیں ثقہ راویوں نے ایک دوسرے سے روایت کیا ہے، سوائے اس کے کہ جب ہمیں ان کی تفسیر (یا تاویل) کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو ہم تفسیر بیان نہیں کرتے اور ہم نے کسی کو ان کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نہیں پایا۔ (الاسماء والصفات ص ۳۵۵ ملخصاً)

اسے ابن مندہ نے کتاب التوحید (۱۱۶/۳ ح ۵۲۲ وسندہ صحیح) اور خلال نے السنۃ

(۳۱۱ وسندہ صحیح) میں مطولاً ومختصراً بیان کیا ہے اور یہ اثر عباس بن محمد الدوری رحمہ اللہ سے مختلف سندوں کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

۱: الشریعہ للآجری (ص ۲۵۵)

۲: اصول السنہ لابن البناء (۷۰)

۳: ابطال التأویلات لأبی یعلیٰ (۱۷)

۴: سیر اعلام النبلاء للذہبی (۵۰۵/۱۰)

۵: العلو للعلی الغفار (۱۰۹۹/۲ ح ۴۳۱)

۶: کتاب الصفات (المنسوب للدارقطنی: ۵۷)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ الحمویہ الکبریٰ ص ۳۰)

امام ابوعبید رحمہ اللہ کے کلام میں الکرسی موضع القدمین کا بھی ذکر ہے، جو اخبار احاد میں سے ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ جلیل القدر محدثین کرام کے نزدیک صفاتِ باری تعالیٰ میں صحیح وثابت خبرِ واحد حجت ہے اور اس پر بغیر تشبیہ اور بغیر تاویل وتعطیل ایمان لانا ضروری ہے لہٰذا بعض مجہول اہلِ کلام سے امام بیہقی کی نقل مرجوح، منسوخ یا مردود ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اہلِ علم میں سے کئی نے اس حدیث، صفات کے بارے میں اس جیسی روایات اور آسمانِ دنیا پر ہر رات نزولِ باری تعالیٰ والی احادیث کے بارے میں فرمایا: اس میں روایات ثابت ہیں اور ان پر ایمان لایا جاتا ہے اور انھیں وہم (غلط) نہیں قرار دیا جاتا اور نہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کیسے ہے؟ اسی طرح (امام) مالک، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن المبارک سے روایت ہے کہ انھوں نے ان احادیث کے بارے میں فرمایا: ''کیسے'' کے بغیر انھیں (بیان کرنا اور ایمان لانا) جاری رکھو، اہلِ سنت والجماعہ کا یہی قول ہے، لیکن جہمیہ (اہلِ بدعت کے ایک انتہائی گمراہ اور غالی فرقے) نے ان روایات کا انکار کیا اور کہا: یہ تشبیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں کئی جگہ ید (ہاتھ) سمع (سننا) اور بصر

(دیکھنا) کا ذکر فرمایا تو جہمیہ نے ان آیات کی تاویل کی اور اہلِ علم کے خلاف دوسری تفسیر بیان کی اور کہا: ''اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا'' اور کہا: ید (ہاتھ) کا معنی (مراد) قوت ہے۔

اسحاق بن ابراہیم (امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ) نے فرمایا:

تشبیہ تو اس وقت ہوتی ہے جب کہا جائے (اللہ کا) ہاتھ (مخلوق کے) ہاتھ کی طرح یا مثل ہے، (اللہ کا) سننا (مخلوق کے) سننے کی طرح یا مثل ہے، تو یہ تشبیہ ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ جیسے اللہ نے فرمایا: ید (ہاتھ) سمع (سننا) اور بصر (دیکھنا) یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ اور نہ یہ کہا جائے کہ (مخلوق کی طرح) سننا ہے یا اس جیسا سننا ہے تو یہ تشبیہ نہیں ہوتی اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) ہے۔'' (سنن ترمذی، کتاب الزکاۃ باب ماجاء فی فضل الصدقہ ح ۶۶۲)

اس طویل کلام سے کئی باتیں ثابت ہوئیں:

۱: اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان (عقیدہ) ہو یا احکام، صفاتِ باری تعالیٰ ہوں یا اُمورِ مغیبات، ان سب میں صحیح خبر واحد حجت ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

۲: صفات پر بغیر تشبیہ اور بغیر تاویل و تعطیل ایمان لانا ضروری ہے۔

۳: صفاتِ باری تعالیٰ کی تاویل کرنا مثلاً ید (ہاتھ) سے مراد قدرت لینا گمراہوں اور اہلِ سنت سے خارج یعنی جہمیہ و مبتدعین کا طریقہ ہے۔

۴) خود امام بیہقی نے ''باب ما ذکر فی القدم والرجل'' کے تحت صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں اخبار احاد کو ذکر کیا ہے۔

مثلاً دیکھئے کتاب الاسماء والصفات (ص ۴۴۱۔۴۴۲، دوسرا نسخہ ص ۳۴۸۔۳۴۹)

لہٰذا ان کا کلام: ''اللہ تعالیٰ کی صفات میں اخبار احاد سے حجت پکڑنا ترک کر دیا۔'' منسوخ ہے۔

۵) خیر القرون (۳۰۰ھ تک) کے کسی قابلِ اعتماد عالم سے یہ ثابت نہیں کہ صفاتِ باری

تعالیٰ میں خبرِ واحد (صحیح حدیث) حجت نہیں بلکہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین کے اقوال وافعال سے یہی ثابت ہے کہ صحیح حدیث (خبر واحد) حجت ہے، چاہے دین کا کوئی بھی مسئلہ ہو اور صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان بھی دین کا ہی مسئلہ ہے۔

تنبیہ: امام بیہقی کی ذکر کردہ یہ روایت وہ ضعیف ومردود روایت ہے جس سے محمود ابوریہ (ایک غالی گمراہ) اور دیگر منکرینِ حدیث نے استدلال کر کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بیان کردہ احادیث میں شک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور عدالتِ صحابہ پر حملہ کیا ہے، حالانکہ اہلِ سنت کا یہ متفقہ اصول ہے کہ ''الصحابة کلھم عدول'' یعنی تمام کے تمام صحابہ عادل (روایتِ حدیث میں سچے اور قابلِ اعتماد) ہیں۔

عوام اور علماء کو چاہئے کہ وہ ضعیف ومردود روایات سے کلی اجتناب کریں، ان سے دُور رہیں اور کسی مسئلے میں بھی ایسی روایات سے استدلال نہ کریں، تاکہ ہر قسم کے شر وفساد سے محفوظ رہیں اور یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر گمراہیوں کی گمراہیوں سے بچا جا سکتا ہے۔

(۲/ستمبر ۲۰۱۰ء)

اعلانات

۱) ماہنامہ الحدیث (شمارہ: ۷۳، جون ۲۰۱۰ء) ص ۱۹ پر ''والدین کی اطاعت'' کے بارے میں جو روایت شائع ہوئی تھی، بعد میں معلوم ہوا کہ محدثین کرام نے خاص اس روایت پر کلام کیا ہے، لہٰذا یہ روایت جرح خاص ہونے کی وجہ سے حسن نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

۲) محترم محمد زبیر صادق آبادی حفظہ اللہ کے دو مضامین:

(۱) دیوبندی بنام دیوبندی [قسط نمبر۲]

(۲) مناظرۂ جھنگ کی حقیقت

آئندہ شمارے (۸۲) میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ

حافظ زبیر علی زئی

خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ: عظیم مبلغ اہل حدیث

نام ونسب: حافظ محمد قاسم خواجہ بن خواجہ عبدالعزیز بن اللہ دتہ کشمیری

ولادت: لاہور ۱۹۳۳ء

اساتذہ: قاری فضل کریم، مفتی عبداللہ محدث روپڑی، ابوالبرکات احمد، حافظ محمد گوندلوی

آپ نے دارالسلام تقویۃ الاسلام لاہور، جامعہ اسلامیہ چاہ شاہاں، جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ درسِ نظامی مکمل کیا، عربی فاضل اور بی اے بھی پاس کیا۔

تعریف وتوثیق: آپ کی تعریف وتوثیق پر اہلِ حدیث کا اتفاق ہے۔ خواجہ ظہیر الاسلام بن خواجہ محمد قاسم نے کہا: حافظ محمد اسماعیل سلفی اور حافظ محمد گوندلوی نے آپ کی تعریف کی۔

راقم الحروف نے انوار السبیل میں آپ کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

" لقيته في گوجرانواله وكان ثقة حجة متقناً من كبار دعاة أهل الحديث . متفق على جلالته وله كتب كثيرة نافعة باللغة الأردية منها: (۱) قد قامت الصلوة (۲) حي على الصلوة (۳) فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر (۴) و معركهٔ حق و باطل وغيرها ، توفي في صلوة الجمعة التي كان إمامًا فيها. رحمه الله رحمة واسعة . " میری آپ سے گوجرانوالہ میں ملاقات ہوئی، آپ ثقہ (روایت میں) حجت (اور) متقن تھے، آپ عظیم داعیانِ اہلِ حدیث میں سے تھے، آپ کی جلالتِ شان پر اتفاق ہے۔ اردو زبان میں آپ کی بہت سی مفید کتابیں ہیں، جن میں سے:

(۱) قد قامت الصلوٰۃ (۲) حی علی الصلوٰۃ (۳) فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر (۴) اور معرکۂ حق وباطل ہیں۔ وغیرہ

آپ نمازِ جمعہ (کی حالت) میں فوت ہوئے جس میں آپ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر وسیع رحمتیں نازل فرمائے۔ (انوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل قلمی ص ۵۶)

دعوتِ دین: خواجہ ظہیر الاسلام نے کہا: محمد یوسف بٹ بریلوی نے کہا: ''خواجہ صاحب نے خطبہ جمعہ میں بریلویوں کو مخاطب فرمایا کہ قرآن وحدیث سے گیارہویں ثابت کردو۔ تو ہم بھی آپکے ساتھ گیارہویں منائیں گے۔ میں نے کہا کہ اب میں اس وہابی کو قابو کروں گا۔ یہ میرے لئے چیلنج تھا۔ میں بھاگا گیا اپنے مولوی صاحب کے پاس اور گیارہویں کا ثبوت مانگا۔ پہلے تو ٹال مٹول کرنے لگے۔ میں ذرا (صح) سنجیدہ ہوا تو ہمارے مولوی صاحب نے صاف کہہ دیا کہ ثبوت تو کوئی نہیں ہے۔ اب مجھے سمجھ آگئی میں سیدھا خواجہ صاحب کے پاس گیا اور اہلِ حدیث مسلک قبول کرلیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میں اب (صحیح) مسلمان ہوا ہوں۔ خواجہ صاحب کو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے روز اگر ربِ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا نیکی لے کر آئے ہو؟ تو میں یہی جواب دوں گا کہ میں نے یوسف بٹ کو مسلمان کیا ہے۔ اور یہی میری نجات کے لئے انشاء اللہ کافی ہوگا۔'' (خواجہ صاحب کی حیات وخدمات ص ۷۔۸)

ملفوظ وارشاد: خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میرا ایمان ہے، جس مسلمان نے صدقِ دل سے لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہو وہ مشرک نہیں ہوسکتا اور جس نے صدقِ دل سے محمد رسول اللہ پڑھا ہو وہ مقلد نہیں ہوسکتا۔'' (معرکۂ حق وباطل ص ۶۳)

تصانیف: آپ کی چار تصانیف کا تذکرہ ''تعریف وتوثیق'' کے تحت گزر چکا ہے اور چند دیگر کتابوں کے نام پیشِ خدمت ہیں: قبر پرستی اور سماع موتیٰ، وسیلہ کتاب وسنت کی روشنی میں، تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینے میں، کراچی کا عثمانی مذہب اور اسکی حقیقت، ہدایہ عوام کی عدالت میں، تعویذ اور دم کتاب وسنت کی روشنی میں، مقالات خواجہ محمد قاسم وغیرہ

اولاد: خواجہ ظہیر الاسلام، عاکف خواجہ، عاصم خواجہ، عدنان خواجہ اور حسن خواجہ، آپ کی آٹھ بیٹیاں بھی ہیں۔

وفات: آپ ۱۹/ دسمبر ۱۹۹۷ء کو بروز جمعۃ المبارک دورانِ نماز میں فوت ہوئے اور آپ کی نمازِ جنازہ مولانا محمد خالد گرجاکھی نے پڑھائی۔ رحمہما اللہ

اتباعِ سنت اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

مشہور ثقہ تابعی امام عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہ) کا بیٹا پیدا ہوا تو (ام المومنین سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا: اے ام المومنین! آپ اس کی طرف سے ایک اونٹ ذبح کر دیں۔ تو انھوں نے فرمایا: معاذ اللہ (اللہ کی پناہ ہے) لیکن (وہ کروں گی) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((شاتان مکافئتان)) دو برابر عمر کی بکریاں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۳۰۱ وسندہ صحیح)

اسے طحاوی (مشکل الآثار ۳/۶۸ ح ۱۰۴۲، تحفۃ الاخیار ۶/۴۲۸ ح ۴۵۱۶) اور ابن عدی (الکامل ۵/۱۹۶۲) نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوئے:

۱: ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سر بلند رکھنا چاہئے۔

۲: سنت یعنی حدیث کے مقابلے میں ہر بات مردود ہے۔

۳: عقیقے میں لڑکی کی طرف سے ایک بکری اور لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرنے کا ثبوت ہے، لیکن گائے یا اونٹ ذبح کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ بعض لوگ ایک گائے میں عقیقے کے سات حصے یا بعض حصے ملا لیتے ہیں، ان کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص سلف صالحین کی مخالفت کرتے ہوئے عقیقے میں اونٹ یا گائے ہی ذبح کرنا چاہتا ہے تو عرض ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو گائیں یا دو اونٹ اور لڑکی کی طرف سے ایک پوری گائے یا اونٹ (یعنی ایک: دَم) ذبح کرنا پڑے گا۔

(دیکھئے تحفۃ المودود باحکام المولود لابن القیم ص ۵۶۔۵۷ الفصل الخامس عشر: أنه لا يصح الإشتراك فيها)

۴: اتباعِ سنت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا مقام ہے۔

۵: ناپسندیدہ چیز سننے یا دیکھنے پر معاذ اللہ (اور استغفر اللہ وغیرہ) پڑھنا بہتر ہے۔

۶: ہر وقت حسبِ استطاعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خیال رکھنا چاہئے۔

۷: دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ عقیقہ سنت ہے اور اسے مکروہ سمجھنا غلط ہے۔

Monthly AlHadith Hazro

ھمارا عزم

- قرآن وحدیث اوراجماع کی برتری
- سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
- صحیح وحسن روایات سے استدلال اور ضعیف ومردود روایات سے کلی اجتناب
- اتباع کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
- علمی، تحقیقی ومعلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
- مخالفین کتاب وسنت اور اہل باطل پر علم و متانت کے ساتھ بہترین وبادلائل رد
- اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
- دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
- قرآن وحدیث کے ذریعے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ''الحدیث'' حضرو کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ اور مفید مشورے کا قدر وتشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔